

# مذہب شیعو امامیہ



تصنیف از ربناعت

مولوی غلام علی گلزار  
صوفی غلام حسین وکیل

شعبہ تبلیغات

معاون کمیٹی تنظیم المکاتب کشمیر

کشمیر ایکسپریس کرن نگر

ہادیہ : ۲ روپے

## بیش لفظ

تاریخ کے نشیب و فراز میں مسلمانوں کے اندر متحدہ فرقے اور مذاہب نمودار ہوئے۔ جن کو سنی یا شیعہ کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ حضرت ختم المرسلینؐ کے بعد، مسلمان دو مکاتب فکر میں تقسیم ہوئے۔ (۱) شیعہ امامیہ (۲) اہل سنت اسلام دشمن سامراج اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مسلمانوں سے باہر اور مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں پھیلاتا رہا ہے۔ سب سے زیادہ منفی پروپگنڈا "مذہب شیعہ امامیہ" کے بارے میں کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مذہب شیعہ امامیہ کے اساسی عقائد اور مرکزی فقہ کو مثبت انداز فکر سے پیش کرنا بہر حال مفید ہے۔ کشمیر میں تحریک مکاتب امامیہ کے بانی و رہنما اور اتحاد اسلامی کے نقیب، جناب مولوی غلام علی گلزار نے "مذہب شیعہ امامیہ" کے موضوع پر مختصر، جامع، فہم اور دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ تحریک مکاتب امامیہ کے ایک دیرینہ ہی خواہ جناب صوفی غلام حسین وکیل (ٹیلکن صنعتی بڈگام) نے طباعت کی رقم ادا کرنے کی پیشکش کی ہے، شیعہ تبلیغی معاون کمیٹی کے علاوہ مسودہ پر جناب پروفیسر تیسر و حسین (سابق ناظم تعلیمات کشمیر) مصنف کی تجویز پر اتراٹی نوٹ لکھا۔ نیز ڈیڑھ ہزار روپیہ کا عطیہ بھی اس کے لئے عنایت فرمایا۔

کتاب کو چھپواتے ہوئے ہمیں مسرت ہو رہی ہے۔ امید ہے محترم ارکان شیعہ و سنی حلقوں کے اہل علم و فکر حضرات اور ائمہ جمعہ و جماعت تک پہنچانے میں تعاون دیں گے

خادم تحریک: سید احمد بیدار، نگران سرکاری معاون کمیٹی تنظیم المکاتب کشمیر  
جون ۱۹۹۴ء

ناخرائی مکتوب از پروفیسر مسعود مسرور حسین صاحب (شرعی بحث سرنگر شیر) سابق ناظم تعلیمات  
محترم و عالی مقام جناب غلام علی گلزار صاحب

السلام علیکم! آپ کی زیر طبع کتاب 'مذہب شیعہ امامیہ' کے مسودے کا بغور مطالعہ کیا  
آپ نے جس طریقے سے مذہب شیعہ امامیہ کو پیش کیا ہے وہ تحقیقی ہونے کے ساتھ واضح  
اور حقیقت شناسی پر مبنی ہے۔ آپ نے احسن طریقے سے اختلافی نکات کی وضاحت  
کی ہے تاکہ مسلمانوں کے ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے حضرات ان سے واقف ہوں۔  
اور ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ صحیح ہے کہ صدیوں  
سے چلا آ رہا یہ تفرقہ جس کو مفاد پرست عناصر وقت و وقت پر الجھاتے رہے ایک دم  
ختم نہیں ہو سکتا ہے بلکہ آج کل کے اس دور میں علم اور تعقل سے اس کو کم کیا جاسکتا  
ہے۔ آپ کی یہ کتاب اس سلسلے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں ایک  
معروف علمی شخصیت پروفیسر سید حسن نصر سائقد و ایس چائلر تہران یونیورسٹی بھی یوں  
رقم طراز ہیں:-

۱۱ شیعہ سنی تعلق ایک نازک اور مشکل مسئلہ ہے مگر میری یہ اولین کوشش رہی  
ہے کہ میں ان دونوں بڑی جماعتوں کو ایک متحد قوم کی حیثیت سے بنیادی اصولوں  
کے تناظر میں پیش کروں۔ یہ واقعی ایک مثبت اپروچ ہے جس سے ان دونوں  
فرقوں کو توحید کے اعلیٰ مرکز پر جمع کیا جاسکتا ہے۔  
آج کل کے اس پُر آشوب دور میں جبکہ مغربی ذرائع ابلاغ پوری سرعت کے ساتھ  
امت مسلمہ میں دراڑ ڈالنے میں مصروف ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ اتحاد ملی کیلئے  
پُر عزم کوشش کی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی یہ اہم کتاب حقائق سے دیز پر دے  
ہٹانے میں مددگار ثابت ہوگی۔ اس نیک کام کے لئے آپ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے سکے۔  
شاہ معشوق علامتہ اقبال نے بہترین پیرائے میں ملی اتحاد کو یوں بیان فرمایا ہے

فرد قائم رلیط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرون دنیا کچھ نہیں

آپ کا خیر اندیش

مسرور حسین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مذہب شیعہ امامیہ

مذہب کی افادہ حیثیت | انسانی زندگی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ انسان کی شخصی زندگی۔ ۲۔

نسل اور تہذیب کی بقاء کے لئے انسان کی گھریلو زندگی، ۳۔ سوسائٹی کو  
پُر امن اور خوشحال رکھنے کے لئے انسان کی معاشرتی زندگی۔ پہلی قسم  
کو حیات شخصی، دوسری کو حیات نسلی، تیسری کو حیات عمرانی کہتے ہیں۔  
تینوں قسموں کے درمیان اختلاف اور ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے لیکن تینوں کے  
درمیان گہرا تعلق بھی ہے۔ یہ ایسا تعلق ہے جو تین علاقوں (Areas)  
کے اصلی اور بنیادی ریشوں سے ملا ہوا ہے۔ ان تینوں میں جو اصول  
مشترک ہیں وہ انسان کی انسانیت سے تعلق رکھتے ہیں، انسان کو جب  
اور جہاں اپنی انسانی ضرورتوں کا احساس غالب ہو جاتا ہے تب اور  
وہاں انسانی زندگی کی ان تین قسموں کے تعلق کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔

اور ان کے درمیان کا ٹکراؤ اور تضاد کم ہو جاتا ہے۔

طبعی طور پر حیاتِ شخصی (Personal life) کے جذبات اور آثار سب سے زیادہ قدیم اور مضبوط ہیں لیکن حیاتِ شخصی کے مقابلے میں، حیاتِ نسلی (گھریلو زندگی — Family setup) کے جذبات اور ضروریات کو مضبوط کرنا ضروری ہے، اسی طرح زندگی کی تیسری قسم یعنی وسیع تر منزل، یعنی انسان کی معاشرتی زندگی جس کا نام "تہذیبِ انسانی" ہے، کو بھی حیاتِ شخصی کے مقابلے میں مضبوط کرنا ضروری ہے تاکہ باقی مخلوق سے انسان کے آداب و عادات اور اس کی سرگرمیوں کو ممتاز کیا جاسکے اور انسانی معاشرہ کو خوشحال رکھا جاسکے۔ اگر تمدن کی ترقی اور انسانی معاشرہ کا قیام مد نظر ہے تو، معاشرہ کے افراد کے بیکر، خود غرضی، خود پرستی اور جھوٹ کی تمام صورتوں کو دباننا ضروری ہے اور ان کے مقابلے میں ان کو ایثار، ضبط نفس، بہمدردی و تعاون، خدمتِ خلق اور سچائی کا عادی بنانا بھی ضروری ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) مصنوعی ذرائع اور خارجی تدابیر کو اختیار کرنا۔ (ب) روحانی و اخلاقی احساسات کو اجاگر کرنا۔ دنیا میں یہ دوسرا طریقہ یعنی (ب) سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہو چکا ہے، جبکہ پہلا طریقہ (۱) نہ دیر پا ثابت ہوتا ہے نہ مؤثر۔ طریقہ (ب) کو دینا "مذہب" کے نام سے جاتی ہے۔ یعنی ایثار، دیانت، ضبط نفس،

خدمتِ خلق، سچائی وغیرہ کو اختیار کرنا اور جھوٹ فریب، قتلِ ناحق، چوری، غارتگری وغیرہ سے احتراز کرنا۔ ان قدر کو مذہب نے معروف (allowed) اور منکر (forbidden) کا نام دیا ہے۔ طریقہ مذہب کا ایک قائلہ یہ بھی ہے کہ یہ عقیدہ کے طور پر دل میں راسخ ہو جاتا ہے، اس لئے مصنوعی اور خارجی وسائل سے زیادہ مذہب کا مرکزی جوہر یہ ہے کہ یہ اعمال کے سزا و جزاء کی تحریک دیتا ہے۔ آخرت اور روحانی بقاء کا تصور ابھارتا ہے، کائنات کے خالق کا یقین پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور اخلاقی قوت و کمال سے خالق کے وجود کا احساس دلانا ہے۔ جنت کے شوق میں بھوک، پیاس، محنت اور تکلیف کو صبر و ثبات سے برداشت کرنے کی قوت عطا کرتا ہے۔ جہنم کے خوف سے، خود غرضی، شہوت پرستی اور ظلم و زیادتی سے پرہیز پر آمادہ کرتا ہے۔ ایثار، سخاوت اور خدمتِ خلق کا شوق پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اچھے اور اچھے مقاصد کے لئے اپنے مال و جان کی قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ مذاہب کی مختلف صورتوں کی تفریق کا سبب، اصولِ مذاہب میں نفسی خواہشات کے مطابق انسان کی تحریف اور برے رسومات و توہمات کا غلبہ ثابت ہوا ہے۔ اگرچہ ان احساسات کے باوجود انسان اجتماعی طور پر، زیادہ تر مذکورہ منفی صورت حال کو قابو میں رکھنے سے قاصر رہتا ہے۔ لیکن انسان تاریخ میں قوموں اور معاشروں کے احساسات، تجزیات،

مشاہدات اور تجربات کا متواتر اصرار و اقرار ہے کہ انسانی نسل اور تمدن کی بقا کے لئے "مذہب" جیسا مؤثر وسیلہ کوئی دوسرا مصنوعی طریقہ ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

بعض معترضین سوال کرتے ہیں کہ اس غرض کے لئے مذہب کی کیا خصوصیت ہے، اگر فلسفہ اخلاق کی تعلیم عام کر دی جائے اور لوگوں میں احساس بیدار کیا جائے کہ توشیح اور پُرمان معاشرہ کے لئے بعض باتوں کا ماننا اور بعض کا نہ ماننا ضروری ہے۔ تب بھی یہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔ مذہبی عقیدہ کے بغیر خالی انسانی اخلاق کی ضرورت کا ادراک عام سطح پر قائم کرنا کس کے بس کی بات ہے؟ ہر شخص کہاں اس قدر فلسفی اور عالم ہو گا کہ ان تمام تقاضوں کا ادراک (Percept) کر سکے۔ مذہب میں بعض مافوق العقل چیزیں یعنی جن کو عقل اپنی کسوٹی پر پرکھنے سے قاصر ہے۔ جیسے کرامات، روحانی کمالات بھی ہوتے ہیں۔ اگر ان کو نکال کر صرف عقلی مذہب باقی رکھا جائے تو "مذہب" مذہب نہیں بلکہ صرف "ایک فلسفہ" رہے گا جس سے فرد فرد کی عقلی کسوٹی کے مطابق عقلی جنگ چھڑ جائے گی، جس کے محرکات عموماً اور مجموعاً عقل "کم" اور ذاتی غرض "زیادہ" کے عوامل پر مشتمل ہوں گے۔

بعض فلسفی محرکات از استفادہ "مبادی فلسفہ" مولانا ماحد

## انبیاء کا مذہب اور مشن

دین اسلام کی اصلی ابتداء اور تکمیل دونوں حضرت محمدؐ

(آخری نبی) نے ہی نہیں فرمائی بلکہ آپؐ پر اس کی تکمیل ہوئی۔ دین اسلام حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؑ تک ابتدائی اصول و اخلاق کے لحاظ سے ایک رہا اور تسلیخ و توضیح کی رو سے نشاندہی کے مراحل اور احکام کے لحاظ سے زمانوں اور مکانات میں مختلف بھی رہا۔ اسلام کی اصل و اساس لا الہ الا اللہ پر ابتداء سے آخر تک ہر نبی پابند رہا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی جدوجہد انسانی اور اخلاقی قدروں کو اُجگر کرتی رہی جو احکام و سنن کا محور اور جوہر ہے۔ جو انسان کی اجتماعی، انفرادی اور روحانی ترقی کا ہدف ہے۔ جو انسان کی خلقت کا منشاء ہے۔ اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو انسان کی خدمت پر لگا دیا۔ پروردگار عالم نے حضرت آدمؑ کو خلق فرمایا اور ان کے قلب میں بصیرت کا نور روشن کیا جس کا ماحصل لا الہ الا اللہ کی معرفت تھی۔ تمام انبیاء کرام کے مشن کا مرکزی نقطہ اور دین و شریعت کا محور لا الہ الا اللہ رہا۔ انبیاء کرام کے مختلف ادوار میں زمانوں کی شرعی ضروریات اور اصلاحی محرکات کی طرف مخصوص توجہ کے باوجود ہر پیغمبر نے اپنی اپنی قوموں کو جن میں وہ مبعوث ہوئے تھے ایک مرکز پر جمع کیا اور شرک سے اپنے نفسوں اور معاشرہ کو پاک و صاف رکھنے کی ترغیب دیتے رہے۔ اولوالعزم رسولوں



کے درمیان کے ادوار کو اس طرح پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ۱- حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک کا زمانہ
- ۲- حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک کا زمانہ
- ۳- حضرت ابراہیمؑ سے حضرت موسیٰؑ تک کا زمانہ
- ۴- حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کا زمانہ
- ۵- حضرت عیسیٰؑ سے ختم المرسلینؑ تک کا زمانہ

قرآن مجید میں کل پچیس پیغمبروں کے نام ظاہر کر دئے گئے ہیں جبکہ احادیث سے واضح اور مشہور ہے کہ مختلف قوموں اور سرزمینوں میں اللہ کی طرف سے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے جن میں تین سو تیرہ رسول تھے اور پانچ الو العزم (مذکورہ بالا آیت ۵) رسول تھے۔ قرآن میں چند اور انبیاء کی طرف واقعات کے سلسلے میں اشارہ ہے، جیسا کہ مختلف تفاسیر میں بیان کیا گیا ہے جیسے حضرت شمویل، حضرت شمعون، حضرت یوحنا۔ بعض برگزیدہ بندگانِ خدا کا بھی کلام اللہ میں تذکرہ ہے۔ جیسے حضرت یوشع بن نون، حضرت حزقیل، حضرت حمید بنجار، حضرت لقمان، حضرت عزیر، حضرت طاوت وغیرہ۔ (دورہ چہارم) حضرت خضرؑ کا بھی تذکرہ ہے جن کو علم لدنی عطا کیا گیا ہے اور جو زندہ ہیں۔ چنانچہ دورہ دوم کی ایک مذکورہ فی القرآن، عظیم الشان مشہور شخصیت سکندر ذوالقرنین ہیں۔ چار رسولوں پر واضح کتب توراہ، زبور، انجیل، قرآن نماز کیا گیا، بعض رسولوں

پر صحیفہ نازل ہوئے جیسے حضرت ادیس کا تذکرہ ہے۔ قرآن میں وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کا اعلان بھی ہے، یعنی ہر قوم میں ہدایت کرنے والا بھیج دیا گیا ہے۔ سرزمین فلسطین پر حضرت عیسیٰ، حضرت یسع وغیرہ مائیں میں حضرت شعیب، مصر میں حضرت موسیٰ وغیرہم۔ بعض تحقیقات میں سنکرت زبان "نو" سے نوح مراد لیا گیا ہے۔ بعض تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ کوشن نے مہا بھارت کے محرکہ کے دوران رحمۃ للعالمین (آخری آنے والے رسول) کو دعائیں وسیلہ لایا تھا۔ غرض یہ مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ انبیاء کے مبعوث کرنے سے اللہ تعالیٰ کا منشاء انسان کی ہدایت ہے۔ اور کسی انسان کے لئے یہ نہیں چاہتا ہے کہ وہ گمراہ ہے۔ اسی لئے اس نے تمام قوموں میں انبیاء کو بھیج دیا اور جہاں اس مشن میں کمزوری آئی، اولیاء و مصلحین کے ذریعے اصلاحی تجارت کے توفیقات کو روشن فرمایا۔ بنیادی مسئلہ انسان کی ہدایت ہے۔ تاکہ وہ انسانیت اپنائے، حیوانیت، شہوانیت، انانیت، نفسانیت وغیرہ کو قابو میں رکھے۔ اور ایک مہذب زندگی گزارے جو اسے حیوانات اور دوسرے موجودات سے ممتاز کرے۔ یہی انبیاء کا مذہب ہے جو انہوں نے انسان کو سکھایا۔ اس کے اہداف کو "دین" اور اس کے آداب و قواعد کو "مذہب" قرار دیا گیا۔ شریعت ان قواعد کی نشاندہی کرتی ہے، جس کے لئے ضروری ہے کہ نئے مسائل کے لئے آخری کتاب قرآن اور آخری رسول

کے بتائے ہوئے طریقے یعنی سنت سے مسائل کو استنباط کر کے حکم پر عمل کیا جائے۔

**اسلامی اقدار کی فطری نوعیت** | انسان جیہ کائنات اور اس کی باریکیوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو

فطری طور پر خالق کا معتقد ہو جاتا ہے اور اُس پر ایمان لانے پر مستعد ہو جاتا ہے۔ اللہ کی اس کائنات میں چوٹی اپنے سے ساٹھ گنا وزن اٹھا سکتی ہے جبکہ عموماً انسان اپنے سے تین گنا وزن تک اٹھا سکتا ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات، ارض و سماوات کا مشاہدہ اسے متوجہ کرتا ہے۔ وہ خالق اور آخرت پر ایمان لانے کو فطری تقاضا سمجھتا ہے۔ جرموں کے جرائم کی سزا اور نیکوں کے اچھے اعمال کی پاداش، انسان کی فطرت کی آواز ہوتی ہے اور انسان عام طور پر یہ دیکھتا ہے کہ اچھوں کو نیکی اور بُروں کو برائی کی حقیقی جزاء و سزا دینا میں نہیں ہمتی۔ مثلاً وہ قاتل و جابر مغارب جنہیں نے اسلام سے بغاوت کر کے ناحق لاکھوں انسانوں کا قتل کیا ہو، دنیا میں صرف زیادہ سے زیادہ پھانسی پاتا ہے۔ اسلام میں افراط و تفریط نہیں ہے۔ انسان کے نفسی ضروریات سے بے توجہی تفریط ہے اور ان کو قابو میں رکھے بغیر آزاد چھوڑ دینا افراط ہے۔

اسلامی قوانین کی خصوصیت عدالت (Justice) ہے۔ اسلامی

قوانین ہر قسم کے ظلم و نا انصافی سے پاک ہیں خواہ وہ قانون سازی کا مرحلہ ہو یا نفاذ کا۔ اسی طرح اسلامی نظام کا فطری تقاضا ہے کہ نظم پر دسترس حاصل کرنے کے لئے منظم جدوجہد کی جائے، جبر و زیادتی سے حاصل کیا ہوا انتظامی اختیار اسلامی نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ظلم و زبردستی سے کسی کی ملکیت پر تسلط کرے پھر ثواب کی نیت سے اس کو غریبوں میں تقسیم کرے۔ ظالم کے ساتھ مشروع حدود میں سختی ایک چیز ہے، ظلم سے کسی کا سہی چھین لینا دوسری چیز ہے۔ اسلام میں رنگ و نسل، فیزیکی امیری فوقیت کا معیار نہیں۔ اسلام نے نسل پرستی اور طبقاتی امتیازات کی مخالفت کی ہے۔ قرآن مجید میں تمام انسانوں کو "یا اَیُّهَا النَّاسُ" اور "یٰبَنیٰ اٰدَمُ" سے خطاب کیا گیا ہے۔ تمام انسانوں کو ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں قانون سازی یا اس کی عملداری انسانوں کے بے شعور میلانات طبع کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس کا دار و مدار بندوں کی سعادت پر ہے۔

**مذہب شیعہ امامیہ** | انسان کے لئے مذہب کی فطری ضرورت اور اُس کی خلقت کے مقصد کی کچھ وضاحت

کے بعد کتاب کے موضوع یعنی "مذہب شیعہ امامیہ" پر کچھ روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

دُنیا مُشرق و مغرب کے مذہبی تعلیمات کی تحقیق و تدریس میں سب سے زیادہ مذہب شیعہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ یعنی اس کو نزدیک سے جاننے اور درس و تدریس میں اس کا موقف سمجھانے کی بجائے اس کو ایک "گروپ" کا رنگ دیکر پیش کیا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ دنیا مذہب شیعہ امامیہ کی اصلیت سے واقف ہو جائے اس سے بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ جن کا سامنا آج دنیا کو اور خصوصاً اُمت مسلمہ کو ہے۔ شیعہ مذہب اسلام سے کوئی الگ مذہب نہیں بلکہ مذہب اسلام کی ایک تاریخی حقیقت اور واقعیت کا نام ہے۔ اس کو دُنیا کے بعض حلقوں میں ایک ایسی تحریک کا نام دیا گیا ہے جس سے اسلامی اتحاد ڈوٹا گیا ہو، حالانکہ ناگزیر واقعیت کے طور پر یہ ابھرا اور قرآنی پیغام کو لیکر پھیلا، اماموں کے ہاتھوں اس کے خدو خال مرتب ہوئے۔ اور فقہائے مجتہدین اس کے اصول و فروع کو شکل دیتے رہے۔ اس میں اجتہاد منظم اور متواتر ہے۔ اور یہ مذہب دنیا میں مسلمان کو خصوصاً اور انسان کو عموماً آنے والے اخلاقی و معاشرتی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب میں مختلف اصطلاحات کی طرح 'اسلام' کو بھی دو طرح پیش کیا گیا ہے سنی مذہب اور شیعہ مذہب۔ یہ دونوں طریقے اگرچہ متعدد اصول و فروع میں تضاد رکھتے ہیں لیکن قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھنے اور چند مفاہم میں اختلاف کے ساتھ اسلام کے جوہری اصول میں متفق ہیں۔ شیعہ مذہب

کی بنیاد جوہری اصول کے بعد اس اعتقاد پر ہے کہ اگرچہ نبوت و رسالت کا سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم پر ختم ہوا لیکن سلسلہ عصمت و ہدایت 'امت' کے عنوان سے قائم رہا۔ تاریخ اسلام کے سانچہ عظیم یعنی واقعہ کربلا کے بعد سیاسی اور اجتماعی طور پر خصوصاً "شیعہ امامیہ" اُمت مسلمہ کے حدود کے اندر ایک کمیونٹی کی صورت میں ابھرے۔ اگرچہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے اندر کئی اور مکاتب فکر اور مذاہب بھی ابھرے۔ جن سے کچھ تاریخ کے دھارے میں تحلیل ہوئے اور کچھ باقی رہے۔

### مسلمانوں میں مختلف فرقوں کا پیدا ہونا اور تحلیل یا مجر د ہو جانا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمان تین فرقوں میں تقسیم ہوئے۔

۱۔ ایک فرقہ جو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی خلافت کے حق میں تھا، ان کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت علیؑ کو اپنے بعد خلافت کے لئے متعین کیا ہے۔

۲۔ دوسرا فرقہ انصار سے تعلق رکھتا تھا۔ جنہوں نے سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب مہاجرین کی تحریک پر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کا سلسلہ چلا تو چند ایک کے بغیر ان لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ سعد بن عبادہ بعد میں نامعلوم اور پراسرار طور پر



قتل ہوا اور یہ فرقہ اس طرح ناپید ہی ہوا۔

۳۔ تیسرا فرقہ ان مہاجرین کا تھا جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی تحریک میں پہل کی، بیعت کے بعد اس میں وسعت ہوئی۔ ان میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو حق خلافت علیؓ کے مخالف تھے اور دوسرے وہ جو اس سلسلے میں کوشا تھے اور وہ اجماعی نظم کی حفاظت کے لئے اور امن عامہ کے لئے اظہار رائے سے کتراتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں میں بنیادی طور پر دو فرقے نمودار ہونے لگے ایک کو پہلے پہلے شیعیان علیؓ کہا گیا۔ پھر امامت کا سلسلہ آگے چلنے کے ساتھ ساتھ "شیعہ امامیہ" کہا گیا۔ دوسرا فرقہ اہل سنت مشہور ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں یہ مسئلہ ابھرتا رہا کہ فعلاً صورت حال ایسی تھی کہ اکثریت نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن اصل حق خلافت اور خلافت کے معیار اور فضائل ابو بکرؓ و علیؓ پر بحثیں ہوتی رہیں۔ اس طرح شیعہ امامیہ فرقہ مختص ہو گیا۔ شیعہ فرقہ میں کئی مکاتب سلوک و فکر ابھرے جو یا ختم ہوئے یا مجرد اور محدود ہو کر باقی رہے۔ البتہ دنیا میں محیط اور مؤثر "فرقہ شیعہ امامیہ" رہا جن کو اثنا عشری یعنی بارہ امامی بھی کہا جاتا ہے۔

اہل سنت کے نام پر متعدد فرقے اور مکاتب فکر ابھرے جن میں اکثر مجرد و محدود ہوئے۔ چار مذاہب معروف ہوئے۔

## شیعہ نام سے منسوب متعدد گروپ

۱۔ کیسانیہ :- یہ ایک گروپ تھا جو حضرت علیؓ کے بول چال میں حنفیہ (فرزند علی بن ابی طالب، جس کی والدہ قبیلہ بنی حنفیہ سے تھیں) کی امامت کا معتقد تھا۔ اس کی ایک دلیل یہ دیتا تھا کہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ نے پرچم محمد بن حنفیہ کے ہاتھوں میں دیا تھا۔ ان میں ایک گروہ کہتا تھا کہ اس کو امام حسینؓ کے بعد امامت ملی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب امام حسینؓ نے مدینہ سے مکہ کی طرف بیعت زید کے اصرار کو ٹالتے اور مسلمانوں کی خونریزی کو بچانے کے لئے ہجرت کی تو محمد بن حنفیہ سے خاص وصیت کی۔ چنانچہ ایک چھوٹے گروہ نے محمد کے بیٹے ہاشم کو امام مانا اور ہاشمیہ کہلائے۔ کئی چھوٹے گروہوں میں بٹ کر یہ فرقہ بھی تحلیل ہو کر رہ گیا۔

۲۔ مختاریہ :- کو قدیم کیسانہ کے ایک گروہ نے مختار بن ابی عبید ثقفی کی پیروی کی۔ چند برس تک مختاریہ نام سے مشہور ہوئے۔

۳۔ زیدیہ :- یہ حضرت زید بن علی بن حسینؓ کے پیرو تھے اور زیدیہ کہلائے۔ اگرچہ حضرت زید خود امام وقت امام صادقؓ کے معتقد

تھے۔ لیکن بنو اُمیہ کے ظالم حکمران کے خلاف شہادت کے بعد صفحہ تاریخ پر کئی صدیوں تک زید یہ فرقہ اُن کو امام مانتا رہا۔ بعد میں کئی گروہوں میں بٹ کر قریب قریب گم ہی ہوا۔ آج نہ ہونے کے برابر ہے۔

۴۔ ایک گروپ باقریہ نام پر ابھرا۔ وہ امام باقرؑ کو ہی مہدیؑ موعود سمجھتے تھے۔

۵۔ تاووسیہ :- عجلان بن تاووس بصری۔ ان کا اعتقاد تھا کہ امام جعفر صادقؑ بقید حیات ہے اور ظہور کریں گے۔ جلد ہی یہ گروپ بھی محو ہو گیا۔

۶۔ اقطبیہ :- یہ لوگ عبداللہ افطح جو امام صادقؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے، کے بارے میں معتقد تھے کہ وہی امام صادقؑ کے بعد امام تھے حالانکہ وہ امام صادقؑ کے بعد صرف نثر روز تک ہی زندہ رہے، اس کے معتقدین امام موسیٰ کاظم (ساتویں امام) کے پیرو ہوئے۔ یہ گروپ ساتھ ہی تحلیل ہوا۔ البتہ بعض لوگوں اور حکومت کے ایجنٹوں نے کوشش کی کہ گروپ باقی رہے۔ استعماری ایجنٹوں نے ایسی شخصیتوں کو ہمیشہ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔

۷۔ مسیمیٹیہ :- یہ گروہ محمد بن جعفر کی امامت کے قائل ہوئے اور بہت تھوڑے رہے۔

۸۔ اسماعیلیہ :- یہ ایک نمایاں فرقہ مسلمانوں میں ہے اور دنیا کے کئی ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ فرقہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے بعد اُن کے فرزند اسماعیل کی امامت کے قائل تھے۔ حالانکہ وہ صحیح امام صادقؑ کے زمانہ میں ہی دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے محمد بن اسماعیل کو امام مانا۔

۹۔ موسویہ :- امام جعفر صادقؑ کے بعد جب امام موسیٰ کاظمؑ (جو اگرچہ اولاد اکبر میں نہ تھے لیکن امامت کے باطنی و ظاہری شرائط کے تحت اہل تھے) امام ہوئے تو ایک گروہ نے انہی کو قائم مانا یعنی اُن کو آخری امام مانا اور وہ "موسویہ" کہلائے۔ حالانکہ خود امام موسیٰ کاظمؑ نے امام رضاؑ کو آٹھواں امام متعارف کرایا تھا۔

۱۰۔ غالیہ :- مختلف زمانوں میں بعض لوگوں نے ائمہ طاہرین (بارہ اماموں) کے بارے میں غلط خیروں اور اعتقادات پھیلائے اور مخالف فرقوں نے شیعوں کے متعلق انہی کی میالذہ آرائیوں کو ذریعہ بنا کر

شیعہ امامیہ کو بھی اس میں لپیٹ لینے کی کوشش کی حالانکہ شیعہ امامیہ (اثنا عشریہ) جو بارہ اماموں (حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک) کا قائل ہیں، غالیہ شیعوں کے ان اعتقادات کو باطل قرار دیتا ہے۔ مثلاً خدا کے حلول کا ائمہ میں قائل ہونا۔ کبھی امام کو اللہ یا رسولؐ پر غلو کرتے ہیں۔ اس طرح اسلام کے بنیادی اعتقاد کے متفاد ہیں۔ جس کو فرقہ امامیہ رد کرتا ہے۔ ان لوگوں میں زیادہ فعال "سبائیہ" ہے جن کا سردار عبداللہ بن سبا تھا جس نے مشہور کیا کہ حضرت علیؑ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) خدا ہے۔ شیعہ امامیہ کی تحقیق اور عقیدہ کے مطابق یہ شخص اسلام دشمن قوموں کا پروردہ اور تنخواہ دار محرف شخص تھا۔ یہ گروپ بھی کئی گروہوں میں بٹ گیا، جیسے "مغیرہ"، "خطابیہ"، "مفوضہ" اور مشہور گروہ نصیریہ۔ سب تاریخ کے دھارا میں تحلیل یا بے اثر ہوئے البتہ نصیریہ کہیں کہیں بہت کم تعداد میں اب بھی موجود ہیں۔ نصیریہ کو شیعہ امامیہ کا فرقہ قرار دیتے ہیں۔ مفوضہ کہتے تھے کہ خدا نے پہلے آنحضرتؐ میں تدبیر عالم کو منتقل کیا پھر ان کے بعد حضرت علیؑ میں پھر دوسرے ائمہ ظاہرینؑ میں۔ اس فرقہ کو بھی شیعہ امامیہ خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ ان (نصیریہ) کا اعتقاد دو طرح کا ہے۔

۱۔ امام مہدی (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) خدا ہیں، امام علیؑ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) امر تبوت میں شریک پیغمبر ہیں۔ یہ دونوں عقیدے باطل ہیں۔ اسی

طرح بہت سے ایسے فرقے اگرچہ شیعہ نام پر مشہور ہوئے، ان کو شیعہ امامیہ، منحرف بنیادی عقائد کی وجہ سے رد کرتے ہیں یا اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔

### شیعوں کا عالمگیر (اسلامی) فرقہ یعنی شیعہ امامیہ (اثنا عشریہ)

اثنا عشر = بارہ، اس سے مراد ہے آنحضرتؐ کو ختم المرسلین اور آخری نبی ماننے کے بعد ہدایت کا مرکز اور منبع بارہ اماموں کو ماننا، جن کے اول حضرت امام علیؑ اور آخری امام مہدیؑ ہیں۔ شیعہ خیر و شر اور عدل الہی کے بارے میں خصوصی اور واضح عقیدہ اور نظریہ رکھتے ہیں جس کے بنیادی نظریہ سے اکثر مشائخ اہل سنت بھی متفق ہیں لیکن عام طور پر یہ نظریہ کہیں کہیں تضاد کو ظاہر کرتا ہے۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک عقیدہ توحید اور عقیدہ عدل میں چولی دامن کا رشتہ ہے۔ مذہب امامیہ کے بنیادی اصول و عقائد یہ ہیں جن کو اصول دین کہا جاتا ہے۔

- ۱۔ توحید، ۲۔ عدل، ۳۔ نبوت، ۴۔ امامت، ۵۔ قیامت۔
- جو ان اصولوں کو نہ مانتا ہو، وہ مذہب امامیہ سے خارج ہے، ان میں تین کو اسلام کے بنیادی اور عمومی اصول قرار دیا گیا ہے یعنی ۱۔ توحید
- ۲۔ نبوت اور ۳۔ قیامت (آخرت) — جو ان کو نہ مانتا ہو

وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

شیعہ امامیہ کے اصول و فروع اور سنی و شیعہ اختلافات و خطوط اتحاد پر کچھ تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ پہلے ان مشہور فرقوں اور گروپوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے گا جو تاریخ اسلام میں "سنی" نام پر مشہور ہوئے پھر ان میں سے بہت سے فرقے تحلیل ہوئے یا سمٹ گئے۔ اور جو باقی تو اتر کے ساتھ رہے وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک ہیں۔

## سنی نام کے متعدد گروپ اور فرقے :-

یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جو لوگ حضرت علیؑ کے حق خلافت کے قائل تھے وہ شیعانِ علی کہلائے۔ معاویہ بن ابی سفیان اور بنو امیہ کے دوسرے ظالم حکمرانوں کے دور میں شیعانِ علی پر سخت مظالم ڈھائے گئے۔ بنو امیہ کے زوال اور بنو عباسیہ کی تک و دو کے زمانہ میں علماء و مشائخ کو قرآن و سنت کی روشنی میں فقہ مرتب کرنے کا مناسب ماحول ملا تو سب سے پہلے حضرت امام جعفر صادقؑ نے فقہ ۱۴۸ھ میں مرتب کیا۔ جو فقہ امامیہ مشہور ہوا، انہوں نے علم کلام، رجال اور رموز تفسیر کے

اصول و قواعد بھی مدون اور مقرر فرمائے۔ تمام علماء و فقہائے زمانہ کو ان کے تبحر اور پاکبازی کا اعتراف تھا۔ ائمہ طاہرینؑ نے مسئلہ عصمت سے باہر کہیں بھی کسی سے علمی استفادہ نہیں کیا۔ امام صادق کے درس میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے بھی شمولیت کی۔ سنا نہ مسی میں امام ابوحنیفہؒ نے دوسرے فقہاء کی مشاورت سے فقہ مرتب کیا جو فقہ حنفی اہل سنت مشہور ہوا۔ اور آگے دوسرے مسلک بھی نمودار ہوئے لیکن اس زمانہ سے پہلے جن گروپوں نے وقتی طور ہی سہی قرآن و سنت کو آڑ بنا کر حضرت علیؑ کی مخالفت کی وہ اہل سنت نام ہی سے متعارف ہوئے اگرچہ ائمہ اہل سنت اور متقی مشائخ زمانہ سے ان کو رد کیا۔ جس طرح متعدد "شیعہ" نام کے فرقوں اور گروپوں کو ائمہ طاہرینؑ کے قول و فعل کی رو سے شیعہ امامیہ (بارہ امامی) فرقے نے بنیادی اصول و عقائد سے انحراف کی وجہ رد کیا۔

۱۔ **خوارج :-** ان لوگوں نے معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے بغاوت کے جنگ (جنگ صفین) میں "حکیمیت" کے مسئلہ پر حضرت علیؑ کے خلاف خروج کیا۔ ان کے محرک تین افراد اشعث بن قیس، کنہی، مسعر بن فدک، یمتی اور زید بن حصین طائی تھے۔ یہ خارجی کہلائے۔ یہ لوگ حضرت علیؑ کے سخت دشمن ہوئے۔ اور انہی کے ایک پیرو عبدالرحمان ابن یحییٰ نے مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ

پر فریب سے سر مبارک پر وار کیا جس سے وہ شہید ہوئے۔ یہ اگرچہ شیخان علی کے مخالف ہوتے کی بنا پر "سنت کے پیرو" یعنی اہل سنت متعارف ہوتے تھے اور دشمنان علی و ظالم حکمرانوں نے ان کی ہرچہ جو صلہ افزائی بھی کی لیکن مشائخ اہل سنت نے آگے ان کو رد کیا۔ اور ان کو "خارجی" قرار دیا۔ یہ فرقہ اب فعلاً دنیا سے ناپید ہو چکا ہے۔ ان لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جو مسئلہ جس طرح رسول کریم نے انجام فرمایا وہ اسی طرح انجام دینا ہے۔ یعنی اگر سنت میں کوئی چیز نہیں ملے گی تو کچھ کرنا ہی نہیں ہے۔ اس لئے اہل سنت مشہور ہوئے لیکن اہل سنت نے ان کو "فتنہ کوش" قرار دیکر رد کیا۔

۲۔ **مرجیئہ**  
بنو امیہ نے بہت سے انحرافی اعتقادات کو رائج کیا جن کے اثرات صدیوں تک باقی بھی رہے۔ جیسے بادشاہ ظل اللہ ہوتا ہے اور کسی برائی یا فحش و منکر پر اس کی تجدید یا امر بالمعروف کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ قرآنی احکام و نصوص اور سنت کے عین برعکس ہے۔ قرآن میں موسیٰ و فرعون، ابراہیم و نمرود، طاوت و جالوت وغیرہ کے واقعات اور ظالم و ظلم کے خلاف انبیاء کے رول کی واضح عکاسی موجود ہے۔ نیز پیغمبر اکرم کی سنت اس کی آئینہ دار ہے۔

بنو امیہ نے اپنے شاہی اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے مرجیئہ فرقہ کو جنم دیا تھا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ایمان ایک قلبی امر ہے، عمل سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ (گویا) اگر افعال مختلف ہوں لیکن کسی کے ایمان کے بارے میں قطعاً شک بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ کہتے تھے کہ کبائر (رئیس لوگوں) کے گناہ کبیرہ پر نہی عن المنکر ضروری نہیں اور تعزیرات شرعی کے تحت ان کا قتل جائز نہیں۔ اس کے لئے قیامت تک تخری کو رد رکھتے تھے۔ یہ روش سنت رسول اور سیرت خلفائے راشدین کے خلاف ہونے کی بنا پر اہل سنت میں مقبول نہیں ہو سکی۔ اگرچہ "سنتی" ہونے کو "سیر" بنا کر بعض افراد اب بھی "تجدید جیسے" کا قر، ظالم اور فاجر کو خلیفہ برحق اور امیر المؤمنین کہتے ہیں جس کا وحی نبوت سے انکار بھی تاریخ سے ثابت ہے اور معاذ اللہ امام حسین کو "باغی" قرار دیتے ہیں اور اس طرح امام حسین (بشمول پختن پاک) کی طہارت و پاکیزگی کے تو اتر سے منکر ہو جاتے ہیں۔ جس میں کسی صحابی کو انکار نہ تھا، حتیٰ کہ معاویہ بن ابی سفیان نے اس کا اقرار بھی کیا تھا لیکن جس نے حسد اور منافقت کی وجہ سے "کر بلا" کے لئے فضا کو دیدہ و دانستہ سازگار بنا کر ہی دم لیا تھا۔ فقہاء و مشائخ اہل سنت نے اس فرقہ کو رد کر دیا۔ مرجیئہ مضبوط اعتقاد کی بنیاد نہ رکھتے کے نتیجے میں چھ گروہوں میں تقسیم ہوئے۔ یونسیدہ،



عسائینہ، تو بانیہ، تو مینیہ اور صالحیہ۔ پھر مجموعاً ناپید ہوئے۔

۳۔ جبریہ :- یہ فرقہ عجیب اعتقاد رکھتا تھا کہ انسان کے تمام افعال خدا ہی کرتا ہے اور انسان کے ارادہ کو

اس میں کوئی دخل ہی نہیں۔ مثلاً قتل، زنا، چوری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی جیسے امور انسان کے ہاتھوں خدا ہی کرتا ہے۔ علماء و مشائخ نے ان کو ہر چند سمجھایا کہ پھر یہ جنت و جہنم، سزا و جزاء، گناہ و ثواب، عدل و ظلم وغیرہ کیا معنی رکھتا ہے۔ شریعت میں تعزیراتی احکام کیوں ہیں۔ رسول اکرم کی سنت پھر قوانین عدل پر قائم کیوں ہے؟ خلفائے راشدین نے کیوں شرعی تعزیرات کو رائج کیا؟ — یہ لوگ بندہ کے کسی بھی ارادہ و اختیار کے قائل نہیں ہیں اور ان کے یہ ویگنڈا سے عموماً اجتماعی کردار زد میں آکر مجروح ہو جاتا ہے۔ بعض حلقے "صوتی ازم" کو "سپر" بنا کر ایسے مترق خیالات کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ اثرات و خیالات کہیں کہیں اگرچہ آج بھی باقی ہیں، لیکن اجتماعی طور پر بطور فرقہ "جبریہ" نمایاں نہیں ہے۔ جبریہ تین گروہوں جھمیہ، بخاریہ اور ضراریہ میں تقسیم ہو کر بے اثر ہوئے۔

ایک توضیح :- یہ واضح رہنا چاہئے کہ شیوخ امامیہ اس اعتقاد کو خارج از اسلام سمجھتا ہے کہ انسان "مجبور محض" ہے اور یہ کہ ہر امر "جبر" کے تحت ہے۔ وہ اس قول امام صادق کو اپنے

عقیدہ کا عنوان قرار دیتے ہیں "لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلَا كُنْ أَمْرَيْنِ أَمْرَيْنِ" یعنی نہ جبر محض ہے نہ قدر محض ہے بلکہ دونوں امور کے درمیان کی صورت ہے۔ یعنی انسان نہ کبھی طور پر مجبور ہے نہ کبھی طور پر مختار ہے۔ وہ عموماً وسائل میں مجبور ہے، ارادہ میں مختار ہے۔ سزا و جزاء ارادہ سے تعلق رکھتا ہے جس کی بنا پر عمل سنا آتا ہے۔ یہی روش متعدد مشائخ و فقہائے اہل سنت کی بھی ہے۔ البتہ عام سطح پر خیر و شر کے بارے میں غلط اندازے اور غلط فہمیاں ہیں جس سے اجتماعی کردار مجروح ہوتا ہے، اور جس کے اصلاح کی ضرورت ہے۔

### تفسیر نعیمی میں ثنوی شریف مولانا روٹی کے حوالے سے ایک واقعہ

ایک جبریہ مذہب کا آدمی انگور کے باغ میں گیا اور پھل کھانے لگا۔ اتفاقاً باغ کا مالک آگیا اور بولا کہ میری اجازت کے بغیر پھل کیوں توڑتا ہے؟ وہ بولا کہ "خدا کا بندہ" خدا کے حکم سے خدا کے پھل کھا رہا ہے! میرا اس میں کیا اختیار ہے؟ تو رب سے کہہ دے کہ تیرے پھل کیوں توڑوا رہا ہے! مالک نے غلام کو حکم دیا کہ اسے باندھ دو اور بندھوا کر پیٹنے لگا۔ جبریہ نے شور مچایا۔ مالک نے کہا "کیوں چیختا ہے؟ خدا کا بندہ" خدا کے ڈنڈے سے، خدا کی رسی میں، خدا کے حکم سے مجھے پیٹ

رہا ہے تو اسی سے کہہ کہ مجھے کیوں پٹوا رہا ہے؟ تب اس شخص نے جبریہ عقیدہ سے توبہ کی۔

۳۔ معتزلہ؛- یہ واصل بن عطا کے پیرو ہیں۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک دن خواجہ حسن بصری نے مرجیہ اور خارجی عقائد پر سوالات کے جوابات دئے اس دوران انہی کا ایک شاگرد "واصل بن عطا" نے کھڑے ہو کر کہا:

"میرے عقیدہ میں گناہ کبیرہ کرنے والا نہ" کا فر مطلق ہے نہ "مومن مطلق" ہے بلکہ کفر و ایمان کے درمیان مقام رکھتا ہے" جس پر انہوں نے کھڑے ہو کر آواز دی ہے "واصل نے مجھ سے، علیحدگی (عزت) اختیار کی۔ اسی مناسبت (عزت) سے یہ لوگ "معتزلہ کہلائے۔ انہوں نے پہلے پانچ عقائد مقرر کئے جن میں عقیدہ مذکور بھی ایک ہے جو صحیح طور پر سنت رسول اور نصوص قرآن کی کھلی اور اصلی تعلیم کے خلاف ہے۔ اگرچہ اہل سنت کے مشائخ مثل خواجہ حسن بصری نے ابتداء میں ہی ان کو رد کیا لیکن انہوں نے مشہور کر دیا کہ اصل اہل سنت (یعنی سنت کی پیروی کرنے والے) وہی ہیں۔ ان کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ عدل الہی میں مصالح و مفاسد سبھی شامل ہیں۔ شیعہ امامیہ اس کو کھلی طور پر رد کرتے ہیں۔ مجموعی

طور پر ان کا غالب عقیدہ یہ رہا کہ اللہ کی طرف سے بندہ تعویض کلی کا حامل ہے۔

چنانچہ معتزلہ میں آگے چل کر متعدد گروہ پیدا ہوئے۔ اصل یہ ہندیہ۔ نظامیہ۔ خابظیہ۔ یشریہ۔ معمریہ۔ مردادیہ۔ ثمامیہ ہشامیہ۔ جاحظیہ۔ خیاطیہ۔ جبائثیہ، انہوں نے اصول اسلام سے بعید من پسند خیالات کو اپنے عقیدہ میں داخل کر لیا۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق نے خصوصی طور پر مدینہ میں جو مدرسہ قائم کیا وہاں ایسے خرافات کی بہت حد تک اصلاح ہوئی۔ بنو عباسیہ حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے امت کو تقسیم کرنے کی جو پالیسی روارکھی اس میں نئے خرافات نے جڑ پکڑ لی اور معتزلہ کے نئے نئے فرقے نمودار ہوتے گئے۔ اگرچہ معروف مذاہب اہل سنت کے مقابلے میں نمایاں نہیں ہیں۔

۵۔ اشعریہ (اشاعرہ) یہ ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری (از اولاد ابو موسیٰ اشعری) کے پیرو

تھے جو ۲۶۰ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوا اور ۳۲۴ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

اشاعرہ فقہی مسائل میں مذہب شافعی کے تابع ہیں۔ قرآن کے قدیم ہونے اور خدا کے روز قیامت میں دکھائی دینے کے قائل

ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے اچھے اور بُرے دونوں کام خدا کے ارادہ سے انجام پاتے ہیں۔

**مذہب اربعہ (تفصیل ذیل)** جو معروف بہ اہل سنت والجماعت ہیں، ان کو مذہب شیعہ امامیہ بھی

دائرہ اسلام میں شامل سمجھتا ہے، جس طرح یہ چاروں مذہب شیعہ امامیہ کو دائرہ اسلام میں شامل سمجھتے ہیں۔ جب سے "مذہب خمسہ" دنیا میں عالمگیر ہوئے۔ نئے مذہب اور "فکری گروپوں" کو قدم جمانے کا کم موقوف ملا۔ مذہب خمسہ سے مراد اہل سنت کے چار ائمہ کے مرتبہ چار مسالک اور مذہب شیعہ امامیہ ہیں۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ سے حنفی فقہ (متعارف ۱۵۰ھ عہد منصور عباسی) امام مالکؒ بن انس سے مالکی مسلک (عہد ہارون رشید عباسی حاکم) امام محمد بن ادریس شافعیؒ سے شافعی مسلک (عہد مامون رشید عباسی)، اور امام احمد بن حنبلؒ سے حنبلی فقہ (تولد ۱۶۳ھ بغداد وفات ۲۴۱ھ) عہد حکومت معتمد باللہ۔

مذہب شیعہ امامیہ کے عقائد و مسائل کو باضابطہ کتابی شکل جناب امام جعفر صادقؑ نے (۱۳۸ھ میں) دی۔ اس لئے اس مذہب کے پیروں کو امامیہ کے علاوہ "جعفری" بھی کہتے ہیں۔ لیکن اصل اور مناسب نام "امامیہ" ہے، جس میں بارہ اماموں کی رہبریت کا

احاطہ سامنے آتا ہے جن کا قائم یعنی امام مہدیؑ غیبت سے اللہ کے حکم پر ظہور فرمائیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور اسلام کی احیاء فرمائیں گے۔ چنانچہ احادیث و اعتقاد کی رو سے تمام مسلمانوں کو امام مہدیؑ کا انتظار رہتا ہے اور مجموعاً "ظہور مہدی" پر عقیدہ ہے۔ اہل سنت کا اعتقاد بھی یہی ہے بجز اس کے کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں۔ اور غیبت میں ہیں، شیعہ امامیہ کا اعتقاد ہے کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں لیکن غیبت میں ہیں اور حکم خدا ملنے پر ظاہر ہوں گے۔ ان کی پہچان کے معیار شیعہ و سنی روایات میں (کم و بیش) مشترک ہیں۔

**مسلمانوں کے مذہب خمسہ :-** سنی حنفی، سنی مالکی، سنی شافعی، سنی حنبلی اور

شیعہ امامیہ یہ بہائی مذہب اور مرزائی (قادیانی) مذہب کو رد کرتے ہیں۔ گذشتہ ۱۵۰ برس کے دوران یہ مذہب ایران اور ہندوستان میں ظاہر ہوئے۔ بہائی نے شیعہ کو پہلے پیر بنایا اور مرزائی نے تسنن کو پیر بنایا۔ بہائی مذہب کا بانی مرزا حسین بہاؤ اللہ تھا اور مرزائی مذہب کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ دونوں فرقے بعض بنیادی عقائد میں تخریف کرتے ہیں۔ بہاؤ اللہ نے پہلے 'مہدی' ہونے کا دعویٰ کیا پھر قرآن کی آیات کو بدل دینے

کا دعویٰ کیا۔ اس مذہب کی اصل ابتداء شیخ محمد فرزند (باقی  
 شیخ احمد حسامی، جس نے امام مہدیؑ کا دعویٰ کر کے انحراف  
 پھیلایا تھا) کے ایک فرد سید علی محمد نے "باب اللہ" ہونے کا  
 دعویٰ کر کے (۵ جمادی الاول ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء) کو بمقام کوفہ  
 کی پھر اس کے پیرو بہاؤ اللہ نے آگے بہائی مذہب کی بنیاد  
 ایران میں ڈالی۔ ایران کے شیخ امامیہ علماء نے اس مذہب کے خلاف  
 (قاچار دور میں) تحریک چلائی، آج دنیا کے بیشتر حصوں میں  
 اسلام مخالف طاقتوں کے بل پر، بہائی لوگ نیا مشن بڑھا رہے  
 ہیں۔ لیکن ایران میں اب نہ ہونے کے برابر ہیں۔

مرزائیوں کو بھی بعض انحرافی عقائد خصوصاً رسول اکرم صلعم  
 کو آخری نبی نہ ماننے یعنی ختم نبوت سے انکار ہونے کی بناء پر  
 شیخ امامیہ اور اہل سنت والجماعت نے دونوں نے رد کیا۔ مسلمانوں  
 میں اہل حدیث کے نام سے یا 'سلفیہ' نام سے جو نئی تحریکی منظم  
 ہو چکی ہیں، وہ اصولی طور پر نئی نہیں ہیں البتہ وہ اجتہاد کے  
 قائل نہیں ہیں، بلکہ براہ راست قرآن و حدیث کے حکم کے مطابق  
 ہر ایک کے لئے عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں لیکن فعلاً زیادہ تر شافعی  
 مسلک اور چند امور میں حنبلی مسلک کے استنباط سے استفادہ کرتے  
 ہیں۔ اس طرح عملاً اور عموماً مقلدین ہیں۔ چونکہ زمانہ کا فاصلہ

بہت بڑھ چکا ہے، مسائل نئے پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ ابتدائی  
 صدی کے مسلمانوں میں معروف سنت سے براہ راست استفادہ  
 اور تطابق آسان تھا، اب بہت مشکل ہے اور تمام حدیثوں پر  
 اعتبار ممکن نہیں ہے۔ اس لئے علم واجتہاد حکم خدا جان لینے  
 کے لئے لازم آتا ہے۔ اس صورت حال میں ان کے لئے بہت سے  
 امور میں مذاہب اربعہ کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس  
 سلسلے میں ایک کڑی نجد کے محمد بن عبدالوہاب سے ملتی ہے۔  
 جنہوں نے 'اصلاحات' کے نام سے بعض خطوط اور حدود کو متعین  
 کیا جو "وہابیت" کے نام سے مشہور ہوئی۔ سعودی عربیہ کے  
 سعودی اقتدار کے ذریعے بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے اس  
 کو بہت ترقی ہوئی۔

اہل سنت والجماعت میں اجتہاد کا دروازہ بند تو نہیں  
 لیکن شیخ امامیہ کی طرح منظم اور متواتر بھی نہیں ہے جس کی  
 ضرورت ہر ذی حین و دردمند مسلم محسوس کرتا ہے کہ اہل سنت  
 والجماعت (الئمہ اربعہ) میں اجتہادی مرکزیت کو مجتمع کیا جانا چاہیے  
 اس سے بہت سی ایسی غلط فہمیاں بھی دور ہو سکتی ہیں اور اسلامی  
 نظم کو معروف عقائد و مسائل پر متوازن موثر رکھنے میں مدد مل  
 سکتی ہے، ورنہ خسران اور انتشار کا امت کو سامنا رہتا ہے۔

اس کتاب کے عنوان کی نسبت سے 'مذہب شیعہ امامیہ' کا تعارف دیگر معروف مذاہب اسلامی پر کسی تنقید و تبصرہ سے بہت کر، مثبت انداز میں کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ اس مذہب کے بارے میں متعدد غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جو بعض علماء سوء کے منفی رول کی وجہ سے خود مذہب امامیہ کے بعض حلقوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جن کی اصلاح ضروری ہے۔ حالانکہ دنیا میں سب سے زیادہ منظم، مدون اور مجتمع "مذہب شیعہ امامیہ" ہے جس کی نشاندہی اصول و فروع میں 'اعلم زمانہ' کے عملیہ (توضیح المسائل) سے ہوتی ہے۔ اس لئے رفع شکوک و جہالت کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ عملیہ اصول و احکام کا مطالعہ ہے جو عقائد و مسائل شیعہ امامیہ کا اجمال پیش کرتا ہے۔

## شیعہ امامیہ مذہب کے اساسی اصول :-

شیعہ و سنی توحید میں نبوت اور آخرت کے عقائد ایک جیسے ہیں۔ لیکن عدل اور امامت میں مختلف ہیں۔ شیعہ امامیہ میں اصول دین بنیادی طور پر پانچ ہیں۔ توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت۔ شیعہ ان سب کو مسلمان سمجھتے ہیں جو توحید،

نبوت اور آخرت میں اسی طرح یقین رکھتے ہوں جس طرح قرآن و سنت کا مقصود ہے۔ اس رو سے شیعہ ائمہ اربعہ اہل سنت کے مذہب کو دائرہ اسلام کے اندر قرار دیتے ہیں اور 'شیعہ و سنی' نام سے جو منحرف فرقے نمودار ہوتے رہے ہیں ان کو رد کرتے ہیں۔

۱۔ شیعہ امامیہ کا موقف الوہیت و توحید کے بارے میں واضح ہے جس کی رو سے اللہ کے صفات نبوتیہ آٹھ ہیں۔ قدیم، قادر، عالم، حی، مرید، مدرک (مثلاً کان کے بغیر سننے والا، آنکھ کے بغیر دیکھنے والا وغیرہ) متکلم اور صادق۔ صفات سلبیہ یہ ہیں :- کوئی شریک نہیں، مرکب نہیں، جسم نہیں، آنکھوں سے دکھائی دینے والا نہیں، محتاج نہیں، محل حوادث نہیں، تغیر اور جسمانی عوارض نہیں رکھتا، کسی میں حلول نہیں کرتا۔

۲۔ عدل کا عقیدہ شیعیت کی بنیاد میں سے ہے جو عقیدہ توحید کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ شیعہ امامیہ خدا کی ذات کو اس کی صفت سے الگ نہیں مانتا بلکہ اس کا اعتقاد ہے خدا خود بالذات عادل ہے، عدل کرتا ہے، اس کا ارادہ عدل ہی ہوتا ہے۔ وہ ظلم کبھی نہیں کرتا۔ کیونکہ ظلم خود ذات الہی کے برعکس ہے، اور ذات الہی نہیں ہے۔ ذات خدا ہر چیز میں ہے لیکن ملی ہوئی نہیں ہے۔

۳۔ شیعہ امامیہ "قرآن مجید" جو موجودہ صورت میں





کا خلیفہ اور بلا فصل وصی سمجھتا ہے، اور حق خلافت "امام اول" کی حیثیت سے انہی کا حق مانتا ہے۔ جس کے لئے دلائل و شواہد پیش کرتا ہے، لیکن اس کو کسی اختلاف عامہ کی بنیاد نہیں قرار دیتا ہے، جس طرح حضرت علیؑ نے خلافت ظاہری (حکومت) بلا فصل نہ ملنے پر دعوائے حق تو کیا لیکن، تفرقہ بین المسلمین کو ٹالنے کے لئے تمام حجت کے بعد صبر و ثبات کے ساتھ خاموشی اختیار فرمائی بلکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ان کے دور خلافت میں کئی امور میں معاونت و تعاون سے نوازا اور اکابر صحابہ و خلفاء بھی ان سے علمی، اعتقادی، استفتائی (Judicial) اور سیاسی و نظمی معاملات میں رجوع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کئی بار حضرت عمرؓ نے کہا: لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكْتُ عُمَرُ۔ حضرت علیؑ کی مداخلت و مشاورت سے متعدد مسائل حل ہوئے لیکن بعض معاملات ایسے بھی ہوتے تھے جس پر آپ نے سخت اعتراض بھی کیا، جیسے زکوٰۃ کے معاملہ پر مالک بن نویرہ کے قتل اور اس کی بیوی کی عصمت دری پر خالد بن ولید (سپہ سالار) کو قتل کی سزا دینے پر آپ نے تاکید کی لیکن اس کے مطابق عمل نہ ہوا بہت خفیف سزا دی گئی حالانکہ یہ اپنی نوعیت کا سنگین ترین جرم تھا۔

حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ کو بھی بہت مشورے دئے جن

سے نظم امت کو استوار رکھا جاسکتا تھا لیکن مروان اور ہزامیہ کے دوسرے عمال اور منفی عناصر کی سازشوں سے ان پر عموماً عمل نہ ہوا۔ جن سے حالات بگڑے اور جس کا بھرپور قائدہ معاویہ بن ابی سفیان نے بنی امیہ کا ملوکانہ اقتدار قائم کرنے کے لئے اٹھایا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد جب لوگوں کی اکثریت نے حضرت علیؑ سے خلافت (حکومت اسلامی کی منصب داری) قبول کرنے پر اصرار کیا تو قرآن و سنت کے مطابق حکومتی سطح پر اصلاحات نافذ کرنے کی شرط پر اسے قبول فرمایا۔ چنانچہ بعض صحابہ نے تعاون نہیں دیا اور بعض نے بر ملا بغاوت کی۔ حضرت علیؑ نے معاویہ بن ابی سفیان کے خلاف علانیہ جنگ کو لازم قرار دیا اور منافقت کی سرکوبی کی بھرپور کوشش فرمائی۔ لیکن حالات بہت بگڑ چکے تھے اور خلافت کا جو تجربہ کئی مراحل طے کر چکا تھا، اب سازشوں اور فریبوں سے مجروح ہو گیا تھا۔

شیعہ امامیہ حق خلافت کا مرکزی عامل "عَدِيْرُخْم" میں حجۃ الوداع سے واپسی کے دوران ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کے مجمع میں بنی اکرمؑ کے اعلان ولایت کو قرار دیتے ہیں۔ یعنی مَنْ كُنْتُ مَوْلَاَهُ فِهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَاَهُ۔ یعنی (جس کا میں مولا ہوں، یہ علی اس کا مولا ہے) اور اس کے ساتھ بہت سے نصوص قرآن و حدیث۔

چنانچہ اس حدیث کے تو اتر کو اس مناسبت سے بھی ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں رحیمہ کے مقام پر لوگوں کے جمع غنیمت میں واقعہ غدیر کی یاد دلائی۔ آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا :-

"میں ہر مرد مسلمان کو قسم دیتا ہوں کہ جس نے غدیر خم میں اپنے کاٹوں سے رسولؐ کو اعلان فرماتے سنا ہو۔ وہ اٹھ کھڑا ہو، جو کچھ سنا تھا اس کی گواہی دے۔"

چنانچہ اس مجلس سے تیس صحابی کھڑے ہوئے جن میں بارہ ایسے تھے جو جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ ان سب نے غدیر کی گواہی دی، لیکن حارث نے گواہی نہ دی، حضرت علیؑ کے یاد دلانے پر بھی حیلہ سے کام لیا تب آپؐ کی بددعا سے موقعہ پر ہی برس کی بیماری میں مبتلا ہوا۔ یہ تاریخ میں واقعہ رحیبہ سے مشہور ہے۔ خلافت اور امامت کے معنی مختلف نہیں ہیں، البتہ آنحضرت صلعم کے بعد خلافت ظاہری میں جب فصل پیدا ہوئی، یعنی ایسے حالات پیدا ہوئے کہ حضرت علیؑ کو خلافت نہ ملی تو خلافت اور امامت کی اصطلاحیں متعین مقامات پر ابھرنے لگیں۔ امامت اس کی محتاج نہیں کہ ظاہر حکومت، خلافت اس کا خاصہ بن جائے۔ امام خلیفہ ہوتا ہے۔ چاہے اقتدار حکومت اس کے ہاتھ ہو یا نہ ہو۔

امامت کے بھی دو پہلو ہیں۔ معنوی اور منہبی۔ معنوی سے مراد امامت کے اصول اور خطوط ہیں، جن کو رائج کرنا مقصود ہوتا ہے، اور جو حکومت اسلامی کے لئے اہم ہوتے ہیں۔ منہبی امامت کا کسی شخص کے ساتھ مختص ہونے کی صورت کو ظاہر کرتا ہے یعنی حضرت علیؑ بحیثیت امام اول، حضرت امام حسنؑ بحیثیت امام دوم وغیرہ چنانچہ حضرت امام حسنؑ نے جب مسلمانوں کے اندر پھیلی خارجی اور داخلی سازشوں کے جال کو دکھا، تو اقتدار خلافت (حکومت) کے لئے جنگ کے اثرات اور نتائج پر نظر کی جو مریخی طور پر اسلام کے تمام اصول و قواعد کو مجروح کر ڈالتے انہوں نے "معنوی امامت" کے تحفظ کو "منہبی امامت" پر ترجیح دی۔ یعنی معاہدہ صلح میں دوسرے شرائط کے علاوہ یہ شرط لگا دی کہ "معاویہ بن ابی سفیان قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرے گا اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد قرار نہیں دے گا۔" اس طرح انہوں نے نہ تو معاویہ کو امام تسلیم کیا نہ خط امامت کو مجروح ہونے دیا۔ امامت کبھی حکومت ظاہری کے طور پر بھی سامنے آتی ہے جیسے حضرت علیؑ چوتھے خلیفہ اور امام رضاؑ کی خلافت ظاہری (عہد مامون)۔ چنانچہ امام رضاؑ نے جب رائج حکومت کے شاہی طریقوں کو بدل کر خلافت اسلامی کے طریقوں کو پھر رائج کر لیا تو ان کو زہر سے شہید کر وا دیا گیا۔

المیہ :- المیہ یہ نہیں کہ "مسئد خلافت" پر امت میں اختلاف کیوں ہے؟ ایک طرف "اجماع جہور صحابہ" کا ظہور ہے، دوسری جانب واضح نصوص حق خلافت کے دلائل ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت جو "شیعان علی" کے نام سے مشہور ہوئی کا تو اثر ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر اختلاف رائے کا ہونا کوئی عُننائی امر نہیں ہو سکتا بلکہ امکانی امر ہے۔ یعنی اختلاف پیدا ہونے کی گنجائش موجود ہے، جو چیز نہیں ہونی چاہئے تھی لیکن جب ظاہر ہوئی تو "اختلاف" کا ازالہ معمولی بات نہیں ہو سکتی۔ اصل المیہ یہ ہے کہ اُس 'اختلاف' کو بنیاد بنا کر تحریر و تقریر میں کیا کچھ نہیں لکھا گیا۔ غلو اور تکفیر کا آپس میں جال بچھا دیا گیا۔ شبہات و خدشات پر اُڑتے کے لئے اصول اخلاق کے پرچھے اڑائے گئے۔ فاصلوں کو پاٹنے کے بجائے قابلیت کا معیار، خلیج وسیع تر کرنے کو سمجھا جاتا رہا۔ سینوں کی اجتماعی سطح پر اس طرح "انحراف" کا رنگ پھیلانے کی کوشش کی گئی جو شیعوں میں ان کو مرکز اسلام سے دور سمجھنے کا تاثر پیدا کرتا ہے، اس طرح شیعوں کی اجتماعی سطح پر ایسے "غلو" کا رنگ چڑھانے کی کوشش کی جاتی رہی جو سینوں میں ان کو اساس اسلام سے الگ کر دینے کا تاثر پیدا کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ اجتماعاً سینوں کے سارے متعارف گروپ منحرف ہوئے

ہیں نہ انفرادی طور پر سارے سنی "مسلمان" "سنی العقیدہ" ہیں۔ اسی طرح نہ اجتماعاً شیعوں کے سارے متعارف گروپ منحرف ہوئے ہیں نہ انفرادی طور پر سارے شیعوں "مسلمان" "امامیہ" ہیں حتیٰ کہ "تشیع" کی اساس پر بھی سب مجتمع نہ رہے۔ "تشیع کی اساس" مراد ہے آئینہ حضور رسول اکرمؐ کے بعد اہل بیتؑ پر بیعت پر بیعت تک تمام مسلمانوں سے افضل و اشرف سمجھنا اور ان کی اتباع کو مقدم جاننا۔ اگرچہ تمام مسلمان مجموعی طور پر کئی یا بجز وی طور کسی نہ کسی طرح، اس فضل و شرف کا اقرار کرتے ہیں لیکن "اہل سنت و الجماعت" نے اس کو مرکزی طور پر عمومی عقیدہ کی صورت نہیں دی ہے۔ ہاں! شیعوں کے نام کے تمام فرقوں نے اس کو مجتمع طور پر اساس بنایا، بلکہ آیت تطہیر اور آیت مباہلہ کے شان نزول میں جو احادیث میں المسالک روایت سے متفقاً ثابت ہیں ان نصوص کی بنا پر بیعت تک کی عصمت کے معتقد بھی ہیں۔ اسماعیلیہ، زیدیہ وغیرہ اس عصمتی سلسلہ کو کچھ کچھ آگے بھی بڑھاتے ہیں لیکن دوسروں اور شیعوں امامیہ میں یہ فرق ہے کہ وہ اس سلسلے میں نہ افراط سے کام لیتے ہیں نہ تفریط سے بلکہ واضح طور پر اس عصمتی سلسلہ کو آئینہ حضور صلعم کے بعد حضرت فاطمہ زہراؑ اور (حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ) بارہ اماموں تک محدود سمجھتے ہیں۔ تاریخ میں کسی کو مسلمانوں کے علماء و مشائخ

کو ان بارہ اماموں کے بارے میں یہ تامل و تردد نہیں کہ وہ اپنے اپنے  
 زمانوں کے انتہائی پاکیزہ اور تبحر علم و تعقل و فضیلت میں کیاتھے۔  
 مذکورہ اساس کے علاوہ بعض فرقوں اور گروپوں نے جو شیعو نام  
 پر ظاہر ہوئے اس قدر اس سلسلے میں غلو کیا کہ حضرت علیؑ کو کہیں رسول  
 سمجھا گیا، کہیں خُدا۔ مُصلِحین و مجتہدین شیعو امامیہ کا نکتہ نظر یہ بھی  
 ہے کہ "غالی" اسلام دشمن سازشوں کی اندرونی اور بیرونی ریشہ دوانیوں  
 کے ایجنٹ تھے۔ شیعو امامیہ نے ان تمام انحرافات کو رد کر کے ایسے  
 گروپوں اور ایسے اعتقادات کو خارج از اسلام قرار دیا۔

سنی و شیعو ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے ہیں کہ وہ  
 "قدح صحابہ" اور "مدح صحابہ" کے نام سے غلو کرتے ہیں، حدود  
 کو پھاندتے ہیں۔ یقیناً دونوں طرف ایسا ہوا ہے، لیکن اس کو  
 "شیعو امامیہ" اور "اہل سنت" کا عمومی عقیدہ و طریقہ قرار دینا  
 درست نہیں ہے۔ قدح صحابہ ایک عنوان مطرح ہوا ہے جو شیعو امامیہ  
 کے یہاں کوئی مذہبی اساس اور موضوع نہیں ہے، لیکن صحابہ کی غلطی  
 پر پردہ کرنا نا واجب امر ہے نہ اس سے مسئلہ اختلاف رفع ہو سکتا  
 ہے۔ البتہ اس سلسلے میں یقیناً اسلامی و انسانی شرافت و ادب کے  
 حدود کو پھاندنا سیرت معصومینؑ کے خلاف ہے جس کا بجا طور پر  
 بعض واعظین اور مصنفین تاریخ میں چل رہی زیادتیوں سے متاثر

ہو کر مرتکب ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ "شیعو" سے منسوب بعض کتب  
 میں حضرت عائشہؓ کی تضحیک اور ان کے بارے میں نازیبا الفاظ  
 کا استعمال بھی کیا گیا ہے اور بد قسمتی سے ان سب کو "شیعو امامیہ  
 مذہب" کے سر تھوپ دیا گیا ہے یا کھنکھنے والوں نے اس کا سہارا لیا  
 ہے۔ صحابہ میں منافقت بھی تھی اور علانیہ طور پر ظلم و تشدد میں  
 کمال کرتے والے، وعدوں اور عہدوں اور جادہ شریعت سے بغاوت  
 کرتے والے بھی جیسے معاویہ، عمر بن العاص وغیرہ جنہوں نے ایسی  
 حدیثوں کو بھی گڑھ لیا جو نصوص اسلام سے بعید ہیں اور اسلامی  
 خلافت کی اساس جس نے بعض نظمی مراحل کا تجربہ کیا تھا، کو اپنے  
 غلط غیر اسلامی کردار سے ڈھا دیا۔ مثلاً آج مسلمان جب تک  
 "جنگ صفین" میں علیؑ اور معاویہ کے درمیان فیصلہ کن نظریہ کا  
 حامل نہیں ہو جاتا ہے دنیاٹے اسلام میں کوئی تحریک فیصلہ کن مرحلہ  
 میں داخل ہی نہیں ہو سکتی۔ اس بارے میں معالط سے ہر چیز ہر بات  
 ہر اقدام بیک وقت صحیح بھی معلوم ہوتا ہے غلط بھی، جائز بھی،  
 ناجائز بھی۔ جدوجہد میں مرنے والا مسلمان شہید بھی قرار دیا  
 جاتا ہے مردود بھی۔ یہ ساری خرابیاں اسی زمانہ کی پیداوار ہیں۔  
 جس کے تو اتریں، و ز عاشوراء، زیندی فوج کے سپہ سالار عمر بن سعد  
 نے اعلان کیا ہے "حسینؑ کو جلدی قتل کرو، نماز میں دیر ہو رہی ہے"



غلو کرنے اور اساسی عقائدِ اسلامی کو مجروح کرنے میں 'سستی' نام پر ایسے مصنفوں اور خطیبوں کی کمی نہیں جو یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ معاذ اللہ 'حسین' یا غی سستی تھے اور زید علیہ السلام امیر المؤمنین تھے! — حالانکہ یہ عقیدہ شیعوں کی سستی اساس کے خلاف ہے۔ اگر کوئی سستی اسلام کے بنیادی عقائد، معروف احکام، شریعت نیز خود اپنے مذہب مسلک کے مرتبہ مسائل و قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ 'سستی' مذہب ہی ایسا ہے، اگر کوئی شیعوں کو کہتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ 'شیعوں' (جو آج دنیا کا معروف ترین شیعوں کا مسلک ہے) ہی ایسے ہیں۔ اصلاح باہمی کی بجائے ہم انتشار کو زیادہ ہوا دینے کے موقعہ و محل کی تلاش میں ہوتے ہیں۔

### محرمات و عوامل :- (مذہبِ شیعوں کے اساسی خطوط)

۱۔ مسلمانوں کے لئے سب بڑا المیہ یہ ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کے تبرع سے استفادہ کا بین الاقوامی صحفہ استفادہ محدود ہو کر رہ گیا۔ جن الہی حکمتوں اور اخلاقی عظمتوں سے ان کا قول و فعل مزین تھا، اسے ایک فرقہ یا کئی چند فکری حلقوں تک محدود کر لیا گیا اکثر مسلمان ان سے بہرہ مند نہ ہو سکے۔ شیعوں اسلامی فرقوں میں علماء، مسود کے طبقہ نے اس صحفہ استفادہ عمومی کو سمیٹ کر اپنی اپنی

مُریدی میں محدود کر دیا، اس کا اثر سیاسی تشیب و فساد اور اکثر مسلم حکمرانوں کی استحصالی کارگزاریوں کے باعث، ان اصلاحی و تبلیغاتی اقدامات کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی رہا، جن کو بُری قریبائیوں کے ساتھ جید اور متقی علماء شیعوں امامیہ نے صادر کیا۔ البتہ شیعوں امامیہ میں اجتہادی سلسلہ عالمگیر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ احساس نمایاں طوراً جاگ رہا تھا۔ ائمہ طاہرینؑ نے تفسیر و حدیث کے اصول و پیمانوں سے خطوط واضح کئے۔ کلام و نحو کے آداب سکھائے۔ علم رجال کو شرعی تحقیق کا پیرا بن پھرایا۔ طب، ہیئت، فلکیات، کیمیا کے انکشاف کئے۔ فقہ اسلامی کو مدون کیا اور دوسرے علماء کو متوجہ کیا۔ قرآن کو محفوظ کرنے اور حدیث کو معیار پر پرکھنے کی جس اجاگرگی۔ ان سے دشمنی کے باوجود بنو امیہ و بنو عباسیہ حکمرانوں کو مسلمانوں کی عمومی فلاح اور مفاد عامہ کے لئے اقتدار و سیاست کے استحکام کیلئے مشورے دئے۔ دہریوں، یونانی فلسفیوں، تحریف کرنے والے عیسائیوں، مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے یہودیوں سے بحث و مناظرہ کر کے ان کو شکست دی۔ فلسفہ کو تو ہم سے نکال کر علم کے راستے پر لگا دیا، منطق کے اصول نمایاں کئے۔ زبان و ادب کو زینت دی، علماء کو عزت دی، محققین کی حوصلہ افزائی کی۔ عرفان کو غیر مشروع شیطانی کرتوں کے حملوں سے بچایا۔ وقت

وقت پر اپنے گھر بار کو راہ اسلام میں لٹایا۔ کہ بلا برپا ہوا تو ثابت قدم ہے، دیوار بغداد میں عباسی ظالم حکمران نے سادات کی اولاد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر چنوا دیا تو صبر کیا۔ معاویہ بن ابی سفیان سے لیکر معتمد عباسی تک ہر قسم کے ظلم و تشدد کے خلاف سینہ سپر ہو کر صلحا و فقہائے اُمت کو ثبات کا سلیقہ سکھایا۔ اپنے خاموش کردار میں اخلاق کو زبان دی، انسانیت کو بول دئے۔ افکار کو تحقیق دی اور حقائق کو توثیق عطا کی۔ اپنے ایثار سے ظالم کو شرمادیا۔ اپنی سخاوت و مروت سے فاسد و فاجر کو جھنجھوڑ دیا، اپنے برتاؤ سے انبیاء کی یاد تازہ کی اور اپنے خلق سے رسول اکرمؐ کی سیرت کو اجاگر کر دیا۔ ہر امام اسلام کے لئے زندہ رہا اور اللہ کی راہ میں شہید ہوا۔ ان کا اٹھنا آیات الہی کی تفسیر تھا، ان کا بیٹھنا الہی علامتوں کی تشریح تھی۔ خود شمع کی طرح گھمٹتے رہے اور انسانیت کی روشنی پھیلاتے رہے۔ وہ دنیا میں انسان کامل تھے۔

۲۔ \_\_\_\_\_، شیعہ امامیہ، قانون شریعت کے لئے، کتاب، اور سنت کو دو اہم ماخذ و منابع قرار دیتے ہیں۔ کتاب یعنی قرآن جو محکمات و متشابہات پر مشتمل ہے، محکمات میں احکام واضح ہیں متشابہات کے لئے دوسرے نصوص و دلائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

لغت میں سنت کے معنی طریقہ اور روش ہے۔ متعدد آیات قرآن الہی ہیں، جن میں حکم صریح نہیں بلکہ سنت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے شیعہ کے نزدیک سنت 'معصومین' کا قول و فعل ہے، معصومین سے مراد حضرت پیغمبرؐ، بارہ امام (ائمہ طاہرین) اور حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں۔ ائمہ معصومین نے کہیں بہ حوالہ پیغمبرؐ قول نقل فرمایا ہے کہیں حوالہ کے بغیر۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک ان کا قول و فعل بھی اُسوۂ رسول صلعم کی طرح "اسلامی سنت" ہی ہے یعنی جو روش انہوں نے اختیار فرمائی، واضح اور محکم ارشاد ہیں اور ارشاد رسولؐ کے علاوہ اس سے وہ احکام روشن ہو جاتے ہیں جو غیر واضح ہیں، متشابہ ہیں، استنباط کے محتاج ہیں۔ شیعہ حدیث معصوم کو سند سمجھتے تھے۔ رسول اللہؐ کی جو حدیث ان سے تو اتر رکھتی ہے یا ان میں سے ایک جو واضح و ثابت ہے۔ چنانچہ ان اکابر صحابہ و رواۃ سے جو علماء رجال کے نزدیک عادل رہ چکے ہوں، سے بھی جو احادیث آئی ہوں ان سے بھی اصول فقہ کی رو سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

سند کے اعتبار سے غیر (حدیث) دو قسم کا ہوتا ہے، ۱۔ متواتر ۲۔ واحد۔ متواتر بھی تین قسموں کا ہوتا ہے۔ لفظی، معنوی، اجسامی (تفصیلی بحث مقصود نہیں ہے)

شیعہ امامیہ کا دعویٰ ہے کہ سنت رسولؐ اصل میں ائمہ طاہرین

کے پاس محفوظ تھا جنہوں نے اس کو وقتاً فوقتاً تعلیم فرمایا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں حدیث جمع کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اگرچہ اکثریت صحابہ اس کو جمع کرنے کی رائے ظاہر کر چکی تھی۔ (بقول علامہ نقیؒ "لکھنؤ ہند") "قرآن کے ساتھ بے توجہی کے خوف نے اس کام سے حضرت عمرؓ کو باز رکھا تھا۔ اگر اس زمانہ میں قرآن کی طرح حدیث رسولؐ کو بھی اجتماعی طور محفوظ کر لیا گیا ہوتا تو اختلاف حدیث نہ رہتا۔" حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے خلاف اموی ظالم حکمرانوں نے قہر ڈھایا، دوسری طرف متعدد خدا ترس اصحاب کو بھی قتل کر دیا نیز فتنہ و فساد کے بازار میں سرکاری تبلیغات میں سنت رسولؐ کے بارے میں مغالطہ پیدا کر دیا گیا۔ صحیح حدیث کو پانا اور حاصل کرنا مسلم سوسائٹی میں بہت مشکل ہو گیا۔ حالانکہ حضرت علیؓ (زمانہ خلفائے راشدین میں) پکارتے جاتے تھے "قَدِّرُوا الْعِلْمَ فِي الْكِتَابَةِ" "علمی مطالب قلمبند کرو اور قید (تحریر) میں لاؤ" بہر حال انہوں نے اس کام کو انجام دیا۔ اس طرح حدیث پر سب سے پہلی تصنیف حضرت علیؓ کی ہے جو آپ نے حضرت رسولؐ کے ارشاد سے مرتب فرمائی تھی اس کا پتہ صحیح بخاری کے کتاب الفرائض باب اثم من تراء عن مولیہ میں بھی ملتا ہے۔ امامیہ مسلک میں تو اس کا تواتر موجود ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں ۷

"ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر گز ہے۔ یہ رسولؐ کا املا ہے۔ جس کو علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ تمام حلال و حرام، اور جن چیزوں کی لوگوں کو ضرورت ہو سکتی ہے، سب اس پر مرقوم ہیں۔" (اصول کافی جلد ۱)

اس صحیفہ کی اہمیت حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت کے خطبات میں واضح کی۔ پھر یہ صحیفہ ائمہ اہل بیتؑ میں محفوظ و متصرف رہا۔ چنانچہ کتب امامیہ میں ہر امامؑ کی طرف سے اس کتاب کو وقتاً فوقتاً ظاہر کر کے اس سے استفادہ کا تواتر ملتا ہے۔

امامیہ کتب حدیث :- (بجوال کتاب تدوین حدیث از علامہ سید علی نقی صاحب کفعمو)

(i) — اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام شیعہ جو اجماع حدیث میں "کافی" کا درجہ سب سے مقدم مانا گیا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی ہر ہر حدیث صحیح السند اور قطعی ہے۔ ہم حدیث کی کسی کتاب کو قرآن مجید کی طرح معصوم اور جرح و تعدیل کے میزان اعتبار سے بلند نہیں سمجھتے۔ کافی کا تقدم و شرف اس اعتبار سے ہے کہ اس میں نقل روایات میں بہت ضبط و انقیان سے کام لیا گیا ہے۔ سندیں پوری نقل کی گئی ہیں۔ روایات کے ٹکڑے نہیں کر دئے گئے ہیں۔ روایات میں ایسے تفسیری نوٹ نہیں دئے ہیں۔ جو اصل الفاظ حدیث کے ساتھ مشتبہ

ہو جائیں۔ پوری سندیں نقل کر دینے کا منشا ہی یہ ہے کہ مصنف نے اپنے اوپر سے ذمہ داری ہٹالی ہے۔ اور ان روایات کے حالات و اوصاف کو جانچ لینے کا موقع دیا ہے۔ . . . . اس بنا پر ہم کافی کی حدیث آنکھ بند کر کے قبول نہیں کر لیتے ہیں۔ بلکہ استنباط و اجتہاد کے موقع پر "کافی" کی حدیث کی اسی طرح جانچ کرتے ہیں جس طرح دوسرے کتب حدیث کی۔ 'کافی' دو رائے کے گزر جانے کے بعد "غیبت" (اعلان غیبت امام مہدی) کے زمانہ میں چھوٹے مسودوں اور متعدد و منتشر کتابوں کے بدل کے طور پر مجتمع ہوئی۔ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی نے بیس برس کی جفاکشی کے بعد اس کام کو انجام دیا۔ اس میں دو حصے ہیں۔ ایک اصول و عقائد کا، جس کو 'اصول کافی' کہتے ہیں، دوسرا مستقل مسائل اور فروع یعنی مسائل شرعیہ کا، اس کو 'فروع کافی' کہتے ہیں۔

(ii) — دوسرے بزرگ جنہوں نے اس خدمت کو انجام دیا شیخ صدوق محمد بن علی ابن بابویہ قمی تھے۔ جنہوں نے کتاب من لا یحضرہ الفقیہ لکھی۔ انہوں نے دیا چہ میں تحریر کیا ہے کہ میں اس میں وہی روایات درج کروں گا جس کے مطابق میں فتویٰ دیتا ہوں اور اپنے اور خدا کے درمیان ان کو حجت سمجھتا ہوں۔

لیکن بقول مجتہدین حدیث انہوں نے بعض روایتیں ایسی بھی درج کر لی ہیں۔ جن کی ان کو رد کرنا پڑی ہے۔ انہوں نے پوری سندوں کی بجائے آخری راوی کا نام لکھا ہے اور کتاب کے خاتمہ پر مشائخ کی ایک فہرست بھی لکھی ہے جس سے روایت کی جانچ میں مدد ملتی ہے۔

(iii) — پانچویں صدی ہجری میں محمد بن الحسن طوسی نے کتاب تہذیب اور کتاب استبصار تصنیف کی۔ اس میں کہیں کافی کی طرح پوری سند ہے تو کہیں "من لا یحضرہ الفقیہ" کا طریقہ ہے۔ علماء حدیث و فقہ کافی کو اخلاق و فقہ کے اعتبار سے جامع سمجھتے ہیں۔ لیکن 'تہذیب' کو فقہ کے اعتبار سے زیادہ جامع قرار دیتے ہیں۔ "استبصار" صرف کتاب جامع احادیث ہی نہیں بلکہ اس میں متعارض حدیثیں درج کر کے ان میں جمع، ترجیح یا تاویل کے فرائض انجام دئے گئے ہیں جو خاص ایک فقیہ اور مجتہد کا فرض اور اس کی روش ہے۔ شیخ امامیہ کی یہ چاروں کتابیں "کتب اربعہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کتب میں احادیث کی تعداد اس طرح ہے  
 ۱۔ کافی = ۱۷۰۹۹، من لا یحضرہ = ۹۰۲۳۳، تہذیب = ۱۳۵۹۰،  
 استبصار = ۵۵۱۱ احادیث۔

گیارہویں صدی ہجری میں ملا حسن فیض کاشانی نے مسدود

چاروں کتب جو "الصراح" کے نام سے مشہور ہوئیں، کے احادیث کا مجموعہ "وافی" کے نام سے تحریر کیا۔ اس میں مشکل احادیث کا حل بھی پیش کیا ہے لیکن جن میں بعض پر علماء حدیث نے آگے نقد و نظر سے کام لیا ہے۔

شیعہ مذہب کے ایک مشہور محدث نے "بجاری الاوار" کے نام سے متعدد جلدوں پر مشتمل کتاب 'مذکورہ چار کتب اور سینکڑوں دوسری کتابوں سے احادیث کو جمع کیا۔ یہ کام اگرچہ علماء شیعہ امامیہ کے نزدیک اس لحاظ سے گراں قدر ہے کہ ایک متلاشی شخص کے لئے روایات کا ذخیرہ ایک جگہ موجود ہے لیکن علماء حدیث کہتے ہیں کہ بحاری میں غیر مستند روایات کا ذخیرہ بھی ہے، علماء حدیث نے روایات کی جانچ کا کام جاری رکھا۔ چنانچہ شیخ محمد بن حسن العالی نے صرف فقہ کے متعلق احادیث کی جانچ کر کے کتاب "وسائل شیعہ" مرتب کی۔ جو فقہیہ مجتہد کے لئے کام کی جامع چیز ہے لیکن اس میں بعض قبیل کے احادیث کو ذیل عناوین کی مناسبت سے ٹکڑے کر کے الگ الگ متعلقہ ابواب میں اپنے اپنے موضوع کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اب اس پر یہ کام ہو رہا ہے کہ ایک روایت کے مقابلے میں جو مواضع آتے ہیں ان ٹکڑوں کو جمع کر کے حدیث کو یکجا کیا جاتا ہے۔ بہر حال گذشتہ صدی کے دوران حوزہ علمیہ قم اور نجف میں "حدیث" پر بہت کام ہوا اور مواضع کے لحاظ سے روایات کی تقطیع و جانچ کا

سلسلہ و احتیاط و تلاش و تحقیق جاری رہتا ہے۔ اس صدی کے اوائل میں کتاب مستدرک الوسائل بھی ایک مشہور کتاب ہے۔ علم رجال اور علم اصول پر بھی شیعہ امامیہ علماء نے متعدد کتب تصنیف کی ہیں۔ جن کی مدد سے روایات کی جانچ اور طبقہ بندی موضوعی کے کام اور تفقہ و اجتہاد میں مدد ملتی ہے۔ اس بارے میں شیعہ امامیہ تعلیم و تعلیم کا سلسلہ لوط اور مضبوط ہے۔ البتہ بعض نیم ملا قسم کے کم سواد واعظین، علماء و فقہاء سے استفادہ کی بجائے بعض اوقات براہ راست ضعیف روایات کا استعمال کر کے مسائل اور شبہات پیدا کر دیتے ہیں، جن کی اصلاح جاری اور ضروری ہے۔ اگرچہ اہل سنت میں صحاح ستہ نام کی کتب حدیث کی تدوین میں احتیاط و مشقت کے واقعات بھی وارد ہیں لیکن حدیث کی کتابی صورت کو قطعی قرار دینے کی بجائے حدیث کی جانچ کے لئے ایک عالمی تحقیقی مرکز کا وجود مفید اور ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ شیعہ امامیہ کے علماء حدیث نے مواضع اور مواقع کے اثبات میں کتب حدیث اہل سنت سے بھی حوالے دئے ہیں جیسے مسلم کی صحاح ستہ سے چھ کتب :- بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد، نسائی۔ مثلاً حدیث ثقلین کو رواۃ امامیہ کے علاوہ مسلم شریف جلد ۵ سے بھی نقل کیا ہے۔

مفہوم :- "میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک کتاب خدا اور (دوسرے) میری عمرت اہل بیت۔" جب



تک تم ان سے متمسک رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔“  
 جو حدیث "قرآن و سنت" پر استدلال کرتی ہے۔ اس سے بھی  
 استفادہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اجتہاد میں شیخ امامیہ چار مدارک و  
 منابع کو قرار دیتے ہیں۔ جن میں پہلے دو منابع جو ہر ہیں باقی دو معاون ہیں  
 قرآن - سنت - عقل - اجماع۔ یہ واضح کیا گیا ہے کہ "سنت" کے  
 لئے وہ کس مصدر کے قائل ہیں۔ اور سنت سے کس مربوط طریقہ سے  
 استفادہ کرتے ہیں۔

۳۔ توضیح المسائل میں شہر شخص آسانی سے جان سکتا ہے کہ  
 فقہ میں شیخ امامیہ کے یہاں کون سے مسائل پانچ بنیادی مدوں کے تحت  
 آتے ہیں یعنی :-

واجب :- جس کا کرنا ثواب اور نہ کرنا گناہ ہے۔

حرام :- جس کا کرنا گناہ اور نہ کرنا ثواب ہے۔

مستحب :- جس کا کرنا ثواب ہے اور نہ کرنا گناہ نہیں ہے۔

مکروہ :- جس کا نہ کرنا ثواب ہے اور نہ کرنا گناہ نہیں ہے۔

مباح :- جو درج بالا چار مدوں میں نہ آتا ہو اور جس کا کرنا  
 نہ کرنا گناہ یا ثواب کی ذیل میں نہ آتا ہو۔

سنت / مستحب افعال و اقوال اور اخلاق کے بارے میں  
 امور و مسائل واضح ہیں۔ نماز میں سنتی نمازوں اور واجبی نمازوں کا

واضح تذکرہ ہے۔ واجب نمازیں یہ ہیں :-

(i) نماز یومیہ کل ۷ رکعات (ii) نماز آیات (گرہن، زلزلہ  
 خوف وغیرہ) (iii) نماز میت (iv) نماز واجب طواف کعبہ (v)  
 یاق کی قضا نمازیں بڑے بیٹے پر (vi) جو اجارہ، تذر، قسم یا عہد کے  
 ذریعہ واجب ہو جاتی ہیں۔

نماز جمعہ واجب تخریجی ہے جو دو رکعت ہیں، اس کے لئے دو

نمازوں کے درمیان فاصلہ اور اہل پیش امام کی شرائط ہیں۔

مستحب / نافلہ نمازیں بہت ہیں۔ ان میں نافلہ شب و روز  
 کے لئے تاکید ہے۔ ۸ رکعتیں نافلہ ظہر، ۸ رکعتیں نافلہ عصر (قبل فرض  
 نماز) چار رکعتیں نافلہ مغرب (بعد فرض نماز) اور دو رکعتیں نافلہ عشاء  
 (بیٹھ کر بعد فرض) دو رکعتیں نافلہ صبح (قبل فرض) ہیں۔

نافلہ شب کل گیارہ رکعتیں ہے آٹھ بہ نیت نافلہ شب، دو  
 بہ نیت شفع ایک رکعت نماز وتر۔ سفر میں واجب نمازوں میں قصر  
 اور نافلہ میں سہولت ہے۔

اوقات نماز میں فضیلت کے اوقات (یعنی اولین وقت) اور  
 مشترکہ اوقات کی نشاندہی ہے۔ یعنی ظہر و عصر کو جمع بین الصلواتین  
 یعنی ایک ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح نماز مغرب کے بعد  
 بعد نافلہ مغرب نماز عشاء پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ سنت (طریقہ)

رسول اکرم صلعم اور اولین صحابہ سے یہ روایات شیعہ و سنی ثابت ہے۔ کہ وہ کبھی مذکورہ دو نمازوں کو ایک ساتھ بھی اور کبھی الگ الگ پڑھتے تھے۔ سنی مسلمان کہیں عام طور پر کہتے ہیں کہ شیعہ "سنت" نہیں پڑھتے ہیں۔ جو پڑھا لکھا نہ ہو وہ اس سے یہ تاثر بھی لیتا ہے کہ شیعہ مسلمان چونکہ سنت نہیں مانتے اس لئے سنت نہیں پڑھتے اول تو اس سے "سنت" سنت نمازوں تک محدود ہو جاتا ہے پھر سنت تو ہر مرحلہ اور ہر مسئلہ میں موجود ہے، تقریباً ہر امر میں واجب کے ساتھ مستحبات بھی ہیں، جو کتاب مسائل میں واضح ہیں۔ شیعہ امامیہ میں بہت سارے علاقوں میں نماز باجماعت کا چلن بہت زیادہ نہیں ہے لیکن بہت ہی کم ایسے ہوں گے جو (خدا نخواستہ) نماز نہ پڑھتے ہوں، بہت ایسے افراد بھی ہیں جو واجب کے ساتھ سنت نمازیں بھی (یومیہ ناقلہ) پڑھتے ہیں۔ کتب ائمہ میں شب جمعہ، شب قدر، شب براءت، عیدین، رمضان المبارک، روز عاشوراء اور دوسرے مبارک ایام کے لئے مخصوص عبادات کا بھی ذکر و طریقہ درج ہے۔ مناجات اور دعائیں ہیں۔ جن میں کوئی حیر نہیں لیکن متوجہ افراد ان اعمال کو بجا لاتے ہیں۔ خصوصاً عیدین، رمضان اور محرم میں۔ جن علاقوں میں علماء اہل متوجہ اور متقی ہیں، مسجد و جماعت کا اہتمام ہے، جن علاقوں میں علماء ضعیف، کم سواد اور گروہ بندی

کے شکار ہیں، وہاں مسجد و جماعت کی طرف کم توجہ ہے۔ البتہ انقلاب سلاجی کے اثر اور امام خمینی کی قیادت سے عالمی سطح کے تمام مسلمانوں میں بالعموم اور شیعہ مسلمانوں میں بالخصوص ایسی بے توجہی پر قابو پایا جا رہا ہے، ان مساعی، نیرد و سری عصری تجارتیک کی مدد سے دنیا کے مختلف ممالک میں اجتماعی نظم کے احساسات بڑھتے جا رہے ہیں۔ تاریخ کا المیہ ہے کہ "شیعہ امامیہ" کو شیعہ نام کے دوسرے بعض گروپوں کے انحراف اور 'سنی' نام کے متحد حکمرانوں کے ظلم و تشدد کے نتیجے میں، اکثر ممالک کے اندر غلط تبلیغات کا شکار بنا دیا گیا۔ ادھر بعض خود پسند اور کم سواد ڈاکرین نے اپنی مجالس کوچمکا کر زیادہ رقوم حاصل کرنے کی غرض سے بعض روایات کو اس طرح فتی لفاظیوں کے ساتھ پیش کر دیا کہ گویا "امام حسین علیہ السلام کے ماتم میں گریہ و زاری سے سارے گناہ دھل جاتے ہیں!" حالانکہ امام حسین علیہ السلام نے اسی لئے قربانی پیش کی تاکہ لوگ باطل ہٹسکنڈوں اور بے دینی سے باز رہیں۔ اہل بیداری یہ ہے کہ مسجدیں بھی آباد ہوں، امام باڑے بھی آباد ہوں۔ امام باڑوں میں حسین انقلاب کا تذکرہ ہو تو مساجد فکر حسین کا مظہر ہوں۔ یعنی حسین امام عالی مقام نے جنگ کی شعلہ ناکوں اور تشنگی کے عالم میں بھی نماز پڑھی، اور وہ حسین سپاہی نماز کو مقدم



کرنے کے لئے بطور مدارک معاون رول ادا کرتے ہیں۔  
 بہر حال معصومین کے بعد اجماع فقہاء ربانی (عادل) کا  
 اتفاق حجت ہے۔ اجماع علماء ہی مجتہد اعلم (مرجع) کے لئے یعنی  
 اس کی طرف نئے مسائل میں حکم شریعت معلوم کرنے کی خاطر رجوع کئے  
 کے لئے دلالت بن جاتی ہیں۔

اہل سنت (ائمہ اربعہ) کے نزدیک اجتہادی قواعد کی رو سے  
 اجماع کی صورتیں اس طرح ہیں :-

اہل سنت میں مفہوم اجماع میں اختلاف ہے (i) بعض ارباب  
 حل و عقد کا اجماع صحیح سمجھتے ہیں۔ (ii) بعض امت کے اجماع  
 کے قائل ہیں۔ (iii) بعض اجماع کو "اتفاق اہل مدینہ" قرار دیتے  
 ہیں۔ (iv) بعض کے نزدیک اجماع، اہل حرمین (مکہ و مدینہ کے مسلمانوں)  
 کا اجماع ہے۔ اور (v) بعض مصرین (یعنی دو شہروں کو ذرا بصر)  
 کے اتفاق کے قائل ہیں۔ مجموعاً ان سارے طریقوں میں سے جو ذریعہ  
 سامنے آئے اور بہ عاقبت طے ہو جائے اس پر اعتراض عموماً نہیں  
 ہوتا ہے۔ اکابر فقہاء، اہل سنت نے فقہائے امت کے اجماع کو زیادہ  
 قرین صحت قرار دیا ہے۔ چنانچہ خلافت کے سلسلے میں خلیفہ اول کا  
 انتخاب اجماع کے طریقے سے ہوا، اگر اس اجماع کی صحت پر مسلمانوں کے  
 درمیان اختلاف موجود ہے۔ خلیفہ دوم کا "نصب" سے اور خلیفہ سوم  
 کا "شوری" کے ذریعے۔

امتیں شیعہ امامیہ رسول اللہ صلعم کے ارشادات و کوائف لائن کی  
 نص کو ثابت کرتے ہیں۔ یعنی انتخاب، مسئلہ امامت و ائمہ طاہرین ؑ  
 من جانب خدا ہے جس کی خیر رسول اللہ نے دی ہے اور ان کے اسماء  
 مبارک بھی بیان فرمائے ہیں۔ جو مسلمانوں کی کتب احادیث میں موجود  
 ہے، جن کی پہلی کڑھی اور شرط حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ کی اولاد سے  
 ہونا ہے۔ دوران غیبت امام اہل علم، تقویٰ اور صلاحیت کی اسکاں،  
 پر کسی مجتہد کے جامع شرائط ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور شیعہ امامیہ  
 قروعات میں اس مرجع کی تقلید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

استنباط احکام (احکام کو منابع سے نکالنے یعنی جان لینے)  
 میں قیاس اور عقل کے مفاہیم میں سنی و شیعہ کے درمیان ٹکراؤ پیدا  
 ہوتا ہے۔ عقلی فیصلہ عقلی قضایا پر مبنی ہوتا ہے، جیسے کسی واجب  
 امر کا مقدمہ عقلاً واجب ہے۔ قیاس سے مراد ہے ذہن کا کسی طرف  
 مرکوز ہو جانا۔ فلسفہ و منطق میں قیاس کی جو صورت ہے وہ اس سے  
 کچھ مختلف ہے جس کا اطلاق فقہ میں بعض مسالک خصوصاً امام  
 ابوحنیفہ نے فرمایا ہے۔ ائمہ اربعہ اہل سنت میں شافعی مسلک کے  
 لوگ احکام کو بلا واسطہ قرآن و حدیث سے لیتے ہیں اور شافعی مسلک  
 اختیار کرنے والے جب اس خاص روش پر مجتمع ہو کر جو اس سے حکم  
 سامنے آتا رہا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ عقلاً وہ بھی مقلد ٹھہرتے

ہیں۔ جبکہ اس طرح براہ راست قرآن و سنت کی نصوص پر بطور حکم عمل کرنے کی روش اپنانے والے کو اخباری کہا گیا ہے۔ اہل تشن میں یہ اصطلاح "اہل حدیث" کے طور پر رائج ہے۔ شیخ امامیہ میں تقلید اور اجتہاد تیسوری اور عمل میں رائج ہے۔ مجتہدین کی ایک چھوٹی تعداد ایسی ہے جو ان دو منال سے خود حکم جاننے کے متحمل ہو سکتے ہیں، فعلاً عوام و خواص مقلدین ہیں۔

۵۔ تَقِيَّةٌ :- تَقِيَّةٌ کا مسئلہ غلط فہمیوں کا مرکز رہا ہے، یہ غلط فہمی عامۃ الشیعہ میں بھی کہیں کہیں پائی جاتی ہے۔ عام سنی مسلمان اس بارے میں شیعوں سے متعلق جو نظریہ قائم کئے ہوئے ہیں وہ اصولاً صحیح نہیں ہے۔ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور فسادات کا سبب ہوتا ہے، تَقِيَّةٌ اس سے مختلف "حکمت" کا نام ہے جس کا استعمال ہر ایک نہیں کر سکتا۔ قرآنی آیت (سورہ آل عمران) میں "إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً" ہے۔ لفظ تَقِيَّةٌ ہو یا تَقَاةٌ معنی دونوں کے ایک ہیں۔ یعنی "بچاؤ کی سبیل کرنا" چنانچہ اسی قبیل کے ایک لفظ تقویٰ کو بھی اس معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جس کا اصطلاحی معنی ہے "عذاب آخرت اللہ کی ناراضگی سے بچاؤ کی فکر کرنا۔"

آیت ۲۸ آل عمران کا مفہوم :- "اہل حق کو نہیں چاہئے کہ وہ اہل حق کو چھوڑ کر پرستارن باطل سے تعلقات محبت و موافقت قائم کریں اور جو ایسا کرے گا اُسے اللہ سے اپنے کو بے تعلق سمجھنا چاہئے ہاں! لگزیہ کہ تمہیں ان سے اپنا بچاؤ کرنا ہو اور بہر حال تمہیں اللہ اپنے سے ڈرتے رہنے کی دعوت دیتا ہے اور بازگشت تو اسی کی طرف ہے۔" (از تفسیر علامہ نقی)

اقتباس از تیرہ کتابچہ "تقیہ" از مولانا سید علی نقی صاحب مجتہد (لکھنؤ) اگست ۱۹۵۲ء :-

قانون عام یہ ہے کہ اہل حق اہل باطل کو اپنا دوست نہ بنائیں، ایک ہوتی ہے بشری اعتبار سے معاونت و دوستی۔ دوسری چیز معاشرتی تعلقات اور تمدنی نظام کے لحاظ سے۔ (ملتا جلتا اور کام آتا) جیسے بیماری یا کسی وقت مصیبت میں تیمارداری یا کسی اور طرح کی نگرانی کرنا۔ بھوکے کو کھلانا، پیاسے کو سیراب کرنا، گرتے ہوئے کو سنبھال لینا، شخصی خدمات اور ذاتی امور انجام دینا۔ یہ گناہ نہیں ہے، بلکہ اسلام میں متفرق مقامات پر ایسے حقوق انسانی کا پتہ دیا گیا ہے جو مذہب و ملت کی تفریق سے علیحدہ ہیں۔ اس طرح کے خدمات بلا معاوضہ بھی انجام دئے جاسکتے ہیں اور یہ معاوضہ بھی۔ اس طرح کی دوستی اور معاشرتی تعلقات قائم



کرنے میں کوئی ضرر تو نہیں ہے۔ نہ مذکورہ آیات قرآنی کا تعلق ان روابط و تعلقات کے ساتھ ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ہم اہل باطل کی پارٹی میں شامل ہوں اور ان کے غلط مقاصد میں ان کے ساتھ اتحاد عمل کریں اور وہ باتیں کریں جن کے لئے ان کے باطل پرستانہ جذبات متقاضی ہوں۔ یہ اتحاد عمل، معاونت اور دوستی ہے جسے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ اب جبکہ یہ صورت ہے تو استثناء "إِلَّا أَنْ تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ قُفُلًا" (یعنی) مگر یہ کہ ان سے بچاؤ کرنا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ استثناء مابعد کے حکم کو ماقبل کے حکم سے الگ کرتا ہے یعنی اگر قبل میں ثبوت ہے تو استثناء کے بعد نفی ہوگی، اگر قبل میں نفی ہے تو اس کے بعد ثبوت ہوگا۔ اس لئے "إِلَّا" سے پہلے آیت میں جو چیز ممنوع قرار دی گئی اس کو "إِلَّا" کے بعد والی صورت میں جائز قرار دیا گیا ہے۔"

حکم تقیہ کی بنیاد :- خطرہ سے بچنے کے لئے بعض اوقات وہ باتیں جائز ہو سکتی ہیں جو بغیر اس کے جائز نہیں۔ جان کی قدر و قیمت یقینی ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت اور عدم حفاظت کے لئے قواعد و ضوابط کا ہونا ضروری ہے جس کی رو سے اہم موقع کی پہچان ہو جہاں پر جان کا دینا لازم ہو اور بعض مواقع کا ایسا ہونا بھی ناگزیر ہے جہاں جان کا بچانا لازم یا کم از کم جائز ہو۔

شریعت اسلام میں وہ وقت جہاں جان کے دینے پر تیار ہونا چاہیے موقع جہاد ہے اور وہ وقت جہاں جان کا بچانا لازم یا جائز ہو محل تقیہ ہے۔ علامہ نقی صاحب اس سلسلے میں ایک دلچسپ مثال دیتے ہیں :-

" فرض کیجئے کہ آپ نے کسی سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میں تمہارے راز کو افشاء کروں گا، اب اس نے اسی وعدہ پر کوئی راز آپ کے سپرد کیا، اس کے بعد اس کا کوئی دشمن اس کے اس راز کو آپ سے دریافت کرتا ہو تو اب دیکھئے کہ یہاں حقیقت کا اظہار کر دینا سچائی ہے یا نہیں۔ خود اس کلام اور اس کے مطابق واقعہ ہونے کے لحاظ سے دیکھئے تو وہ سچا ہوگا مگر اس وعدہ کے لحاظ سے دیکھئے جو آپ نے افشاء راز نہ کرنے کے متعلق کیا ہے تو یہ اظہار کرنا 'سچائی' کے خلاف ہے۔" (تقیہ کے لئے تیز فہم اور سنگین حالت کی شناخت شرط ہے، عام لوگ عام طور پر اس کے اہل نہیں ہوتے)

تقیہ کے شرائط و قیود :- (اسی حوالہ سے اختصاراً)

- ۱۔ تقیہ دفع مفرت کے لئے ہوتا ہے۔ حصول منفعت کیلئے نہیں
- ۲۔ تقیہ کی مشروعیت حقوق اللہ میں ثابت ہے، حقوق الناس میں نہیں۔ مثلاً اپنی جان بچانے کے لئے کسی دوسرے کی جان لینے کا

حق نہیں، یا اپنی آبرو کے تحفظ کے لئے دوسرے کی آبرو ریزی کا حق نہیں یا اپنے مالی نقصان کو بچانے کے لئے دوسروں کو مالی نقصان میں مبتلا کر دینے کا حق نہیں۔

۳ تقیہ کبھی واجب، کبھی مستحب، کبھی مباح، کبھی مکروہ اور کبھی حرام ہو جاتا ہے۔ اگر شریعت کی آبرو کسی کے جان دینے پر موقوف ہے تو پھر تقیہ (جان بچانے کے لئے) حرام ہوگا۔

محل تقیہ کا موازنہ :-

(i) اگر مفاد دینی مقدم ہو اور اس کی حفاظت کا استحصال اس شخص میں ہو، سو اس کے کوئی دوسرا اس کام کو انجام ہی نہ دے سکتا ہو تو تقیہ حرام ہوگا۔

(ii) اگر مفاد دینی اہم اور مقدم ہو لیکن دوسرے بھی اس خدمت کو انجام دے سکتے ہوں اور/یا انجام دے رہے ہوں اور اس شخص کی ذات کے ساتھ کوئی دوسری اہم خدمت جو اُس کی ذات سے وابستہ ہے متعلق نہ ہو تو اس کے لئے دین کی خاطر قربانی کو پسند کرنا مستحسن یا مستحب ہوگا۔ اور اس وقت "تقیہ" کو مکروہ سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس لئے اگر تقیہ سے اپنی جان کو بچالے تو موردِ عذاب یا خدمت نہیں ہوگا کیونکہ مکروہ فعل کا یہی حکم ہے۔

(iii) جان کے جانے سے کوئی خاص دینی فائدہ مد نظر نہ ہو لیکن

احرام مذہب دعوت دیتا ہو کہ سچائی کے ساتھ اپنے خیالات کو ظاہر کر دے اور اصول پر قائم رہے، اور اس کی ذات کے ساتھ آئندہ کوئی مذہبی مفادات وابستہ بھی نہ ہو جو اس کے جان دینے سے تلف ہوتے ہوں تو ایسے مقام پر تقیہ جائز و مباح ہو سکتا ہے یعنی اختیار میں ہوگا۔ یعنی یہ تقیہ جائز (مباح) ہوگا مگر اس کے ترک میں بھی گنہگار نہ ہوگا۔

(iv) جان دینے پر کوئی دینی فائدہ مرتب نہیں ہے صرف احترام دین اور سچائی کا ولولہ خطرہ کی طرف قدم بڑھانے کی دعوت دے رہا ہے۔ مگر جان کی حفاظت کے ساتھ امکان ہے کہ کچھ دینی خدمات انجام دے سکے، اس صورت میں تقیہ کر کے جان بچانا مستحسن یعنی مستحب ہوگا۔

(v) اگر جان دینے پر کوئی دینی فائدہ یا مقصد مرتب نہیں تو تقیہ ضروری ہوگا بلکہ اس کا ترک کرنا حرام اور باعث مؤاخذہ اخروی ہوگا۔ تقیہ کا حکم شخصیتوں، منہبی ذمہ داریوں، موقعہ و محل اور ظلم و کفر کے مزاج سے بھی مطابقت رکھتا ہے، زمان و مکان سے بھی اس کا رشتہ ہے۔ یا سر اور رسمہ کفر کے نزعے میں تھے، یہ شرائط و مرحلہ شناسی ان کے سامنے تھی، ایمان کے خلاف ایک حرف کہتا بھی گوارا نہ کیا، شہید کر ڈالے گئے۔ اہنبی کا بیٹا عمار (عمار یاسر) جو ان تھا۔ آگے دین کی راہ میں کار نمایاں انجام دینے کا ولولہ، شوق اور نظر

ہے۔ مشرکین کے منشاء کے مطابق چند الفاظ زبان پر لاکر چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ آیت اس کی تائید میں نازل ہوتی ہے۔ "إِلَّا مَن تَكْرِهًا وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صورت) حال کے مرحلہ و مزاج کے مطابق (ارشاد فرماتے ہیں) "اگر ایسا اتفاق ہو تو پھر تم یہی عمل اختیار کرتا۔"

تقیہ کی اصلیت و حکمت و شرائط کو سمجھنے کے لئے ائمہ طاہرین کی سیرت و حالات زمانہ کے مطابق ان کے رول کو سمجھنا ضروری ہے۔ شیعہ امامیہ پر تاریخ میں تاثر توڑا شدہ ہوا جو ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس کے پس منظر پر قطعی نظریہ قائم کرنا مشکل ہے۔ لیکن فعلاً ایسا ہوا اس لئے فقہاء شیعہ نے اس کے حدود و خال کو زیادہ واضح کیا۔ لیکن یہ واقعیت دنیا میں ہر زمان و مکان کے اندر ثابت اور واضح ہوئی ہے۔ کہ بلا لحاظ مسلک اکابر و منصب داران اہل اسلام نے اس حکمت کو حکمت شناسی کے ساتھ اپنایا ہے۔ مسلمانوں کے سوا داعظم کی عام سطح کو اس کی حکمت و ضرورت کا احساس اس لئے نہیں ہوا کیونکہ عموماً ان کو ان حالات سے دگر ناپڑا، جن حالات سے شیعہ امامیہ کو دوچار ہونا پڑا۔ نیز جہاں اور جب شیعہ امامیہ میں عام سطح پر علمی فقدان رہا۔ تقیہ کے صحیح طور پر سمجھنے میں بھی فساد وارد ہوا۔

۶۔ خمس اور عشر (مذہبِ خمسہ)  
(۱) ائمہ اربعہ :-

سورہ انفال، پارہ ۱۰ آیت ۱۴ کا مفہوم :-

"اور جان لو کہ جو کچھ تم غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پر دیسیوں (مساقرؤ) کے لئے ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جوہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن جبکہ دو لشکر (جنگ بدر میں) آئے تھے۔ نازل کیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (ترجمہ از تفسیر حقیقی)

بحوالہ تفسیر حقیقی ۷ عقائد اہل سنت کے مطابق اس خمس (پانچویں حصہ) کی تقسیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو قول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ چھوڑ کر مسلمانوں کے نزدیک، جن میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ بھی ہیں، اسلام کے مہربانوں اور اس کی ضرورتوں میں صرف ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ذوی القربی، یتامی، مساکین اور ابن سبیل میں تقسیم ہوگا۔ آپ کے اقارب کے حصہ میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ان کے اقارب کو حصہ ملے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے کہ یہ رقوم بیت المال کا حصہ ہوں گی اور غریبوں اور یتیموں کی پرورش بیت المال کی ذمہ داری ہے۔ غنیمت کے باقی چار حصوں کے بارے میں متعدد علماء نے احادیث سے

اسلامی سپاہ میں تقسیم کرنا ثابت کیا ہے۔ البتہ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے کہ ہر حاجت و ضرورت میں حسب مصلحت صرف کرے۔ اکثر مالکیہ کہتے ہیں کہ خلفائے اربعہؓ آپ کے بعد ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ روئے مذہب اربعہ اہل سنت خمس بجا آیت بالا عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ جس کا مدد خدا داد مال و جائداد ہوتی ہے۔ جو زمین و جائداد اہل اسلام کو اجتماعی جہد سے حاصل ہو اس کی نسبت واضح ہے۔ باقی زان و مکان کے حالات کے مطابق ہیں۔ حکومت اسلامی میں امیر کے اوپر تکلیف شرعی عائد ہے۔ قوتہ بحریہ (امیر اسلامی) میسر نہ ہو تو قانون کے اجراء کا اختیار اکابرین علماء و مجتہدین کو ہے۔

(ii) شیعہ امامیہ :- شیعہ امامیہ کی رو سے خمس سات چیزوں پر واجب ہوتا ہے۔ ۱۔ کار و بار کا سالانہ حساب سے نفع، ۲۔ کانیں ۳۔ خزانہ، ۴۔ وہ مال جو حرام میں مخلوط ہوا ہو اور الگ کرنا ممکن نہ ہو۔ ۵۔ جو اہرات جو غوطہ زنی سے ملے ہوں، ۶۔ مال غنیمت، ۷۔ وہ زمین جسے کافر ذمی مسلمان سے خریدے۔ ان کے مفصل احکام، مراجع مجتہدین کے توضیح المسائل میں موجود ہیں۔

آیت مذکورہ کا ترجمہ اس طرح ہے **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْئٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ**۔ یعنی :- اور جان لو جو نفع تم کسی چیز

سے حاصل کرو تو اس میں سے پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ اور (رسول) کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پر دلیوں کا ہے (باقی حصہ اسی طرح)

حدیث رسولؐ کا ارشاد ہے :- تم کو چار چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ ۱۔ خدا پر ایمان، ۲۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، ۳۔ ماہ رمضان کا روزہ رکھنا، ۴۔ اور جو نفع حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ دینا (بجو البخاری: ج ۱) شیعہ امامیہ میں احادیث رسولؐ تو اتر کے ساتھ آتے ہیں اور سیرت رسولؐ ہوتا تاریخ سے ثابت ہے، کے مطابق جو ترجمہ آیت مذکورہ کا کیا گیا ہے وہ قرین صحت مانا جاتا ہے۔ اس میں خمس کو مال غنیمت (از غیر مسلم) تک محدود نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اس سے مراد ہے جو نفع تم کسی چیز سے حاصل کرو۔ امامیہ مذہب میں سات واضح چیزوں میں جن میں خمس واجب ہے "غنیمت" بھی ہے۔ جو اصطلاح میں وہ مال غنیمت ہے جو غیر مسلم سے (جنگ میں) ملا ہو۔ شیعہ امامیہ سال بھر جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کا خمس نکالتے ہیں۔ اور غنیمت کی تفسیر ہر حاصل ہونے والی آمدنی سے کرتے ہیں۔ شیعہ امامیہ میں ہر جگہ آیات کے سیاق و سباق (ما قبل و ما بعد) کو تفسیر میں مقدم نہیں رکھا جاتا ہے۔ بلکہ آیات قرآنی کی تفسیر میں متواتر احادیث اور تشریح معصومینؑ اور حقیقت و حقیقت واقعیت کو مقدم کیا جاتا ہے۔ چونکہ خمس والی آیت حرب و قتال کے آیات کے درمیان آئی

ہے اس لئے مستی مفسرین نے اسی کے ذیل میں رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔  
شیعہ امامیہ نے دیگر نصوص جو واضح ہیں کی روشنی میں تفسیر کی ہے۔

زکوٰۃ و صدقات سلسلہٴ اقرباء رسول معلّم (سادات) پر جائز نہیں ہے۔ نصاب زکوٰۃ کے لئے واضح احکام شیعہ و سنی کے یہاں گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ خمس کا آدھا حصّہ یعنی کل کا دسواں حصّہ اقرباء (سادات) میں یتیم، مسکین اور پردیسی (مسافر) کے لئے جائز ہے۔ اگر مستحق نہ ہو تو مجموعی حکم کی روشنی میں امام (حاکم شرع - نائب امام) مناسب امور پر صرف کر سکتا ہے۔ دوسرا آدھا حصّہ یعنی سہم امام، امام مجتہد اعلم کی ہدایت سے عادل علماء یا اداروں کے اختیار میں اس شرط پر کہ وہ یہ رقم احکام دین کی ترویج اور اسلام کی تبلیغ میں حساب رکھ کر صرف کریں۔ ان کے حقوق کا خیال رکھیں کہ جو اسلامی خدمات اور تبلیغ حق انجام دیتے ہوں۔ رکھا جاتا ہے۔

عموماً شیعہ امامیہ خمس کا آدھا (بچی ہوئی آمدنی) کا سالانہ دسواں حصّہ (عشر) غریب سادات کو باقی دسواں حصّہ جو رسول کے بعد امام اور امام کے بعد نائب امام (مجتہد اعلم) کا حصّہ کہلاتا ہے۔ مجتہد کے حکم کے مطابق مذکورہ مصارف پر صرف کرنے کے لئے علماء اور اداروں کو دیتے ہیں۔ سہم امام کے فرقہ پر بین الاقوامی سطح کا منظم کنٹرول البتہ ضروری ہے، ہر جگہ اور ہر حال میں علماء کرام پر، جن کی

پوزیشن گروہ بندی میں ملوث ہو یا جن کا کردار مشکوک ہو، محی اور نظر رکھنے کا نظم بھی ضروری ہے جس کی طرف اہل علم و دانش متوجہ ہیں اور مراجع کرام جس کے متمنی ہیں۔

۷۔ قضاءِ قدر:- (شیعہ امامیہ کی نظر میں)

بحوالہ شرح نہج البلاغہ، شیخ عبیدہ، ج ۴

ایک شخص نے حضرت علیؑ سے قضا و قدر کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:-

”شاید تو نے لازمی قضا اور حتمی قدر کے بارے میں گمان کیا ہے اگر ایسا ہوتا تو ثواب و عقاب سب باطل ہو جاتا اور وعدہ و وعید سب ختم ہو جاتا۔ خداوند عالم نے اپنے بندوں کو اختیار دیتے ہوئے حکم دیا ہے اور ڈراتے ہوئے نہیں کی ہے۔ ان کو تھوڑی سی تکلیف دی ہے۔ ناممکن چیزوں کی تکلیف نہیں دی۔ تھوڑے (عمل) پر زیادہ ثواب دیا ہے۔ خدا کی معصیت نہ مغلوب ہو کر کی جاتی ہے نہ مجبور ہو کر اطاعت کی جاتی ہے۔ خدا نے انبیاء کو بلا وجہ نہیں بھیجا اور نہ بندوں کے لئے کتاب کو عبث نازل کیا ہے اور نہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو باطل پیدا کیا ہے یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں۔“



مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: کہ اگر خدا اپنے بندوں کو اپنے اوامر پر مجبور کر دیتا تو بندوں کے بس کی بات نہیں تھی کہ اس کی مخالفت کر سکیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بندوں کو ہے۔ چاہیں تو اطاعت کریں چاہیں تو نافرمانی کریں۔ قرآنی آیت پ ۱۵، سورہ کہف آیت ۲۹ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

’جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کئے‘ مفہوم قرآن پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۹ :-

’اس میں شک نہیں کہ یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔‘

حضرت امام جعفر صادق (چھٹے امام) کے اس قول کہ ”لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ وَلَا كِنَ اَمْرٌ بَيْنَ اَمْرَيْنِ“ کا مطلب انہی کی توضیح سے سمجھیں، فرمایا :-

”تمہارا زمین پر چلنا اور زمین پر گرنا دونوں ایک بات نہیں ہے بلکہ دونوں میں فرق ہے۔“ انسان بعض صورتوں میں محتار ہے اور بعض میں مجبور ہے۔

مزید نصوص :- قرآن، پ ۳، الشمس آیت ۶ تا ۱۰ - پ ۲۹، القیامۃ آیات ۳۶ تا ۴۰

ایک شخص نے امام رضا (آٹھویں امام) سے امام صادق کے

(مذکورہ بالا قضا و قدر سے متعلق) قول کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے تشریح فرمائی :-

”جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ ہمارے تمام افعال کا کرنے والا خدا ہے وہی ہم سے ہمارے افعال کرا کے ہم کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے وہ جبر کا قائل ہے۔ اور جس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے خلق کرنے اور رزق دینے کا کام ائمہ کے سپرد کر دیا ہے وہ تفویض کا قائل ہے۔ جبر کا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے اور تفویض کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔“

ائمہ طاہرین نے قرآن کی جس طرح اپنے ارشادات میں تشریح فرمائی ہے، اس سے تمام مسلمانوں کو عقائد کئی و جوہری میں استفادہ کرنا چاہیئے۔ رسول خدا صلعم نے ان کے بارے میں یہ پیش گوئی فرمائی ہے کہ ”اُن سے آگے نہ بڑھو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان سے پیچھے بھی نہ رہو ورنہ پھر بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔ ان کو تسلیم دینے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ یہ تم سے زیادہ اعلم ہیں۔“

(بہ حوالہ :- صواعق محرقة، مجمع الزوائد ج ۹، یتایع المودۃ ج ۳ درمشورج ۲، کنز العمال ج ۱، طبقات الانوار ج ۱ - اسد الغاب ج ۳) یہ واسطہ تشریحات مؤسسہ انصاریان، قم - ایران

۸ - ایمان ابو طالبؑ - حضرت ابو طالب کے بارے میں جو واقعات وارد ہیں، تاریخ میں محفوظ ہیں، لیکن ان سے نتیجہ گیری کے لئے رہنمائی

حکمت و خطوط سے استفادہ کی ضرورت ہے۔ بہر حال یہاں مناظرہ مقصود نہیں، مذہب امامیہ کے موقف اور ضروری یادداشتوں کا بیان مطلوب ہے۔ حضرت عید المطلب کے بعد حضرت ابوطالب نے آنحضرت صلعم کی پرورش اس طرح کی کہ آپ کو اپنے فرزندوں سے زیادہ عزیز رکھتے، آپ کے بستر اور بسترہ کی جگہ تبدیل فرماتے رہتے اور اس میں اپنے فرزندوں کو باری باری سلاتے۔ حضرت ابوطالب نے نہایت حکمت کے ساتھ آنحضرت کو دشمنوں کی سازش اور شرارتوں سے حفاظت و نگرانی میں رکھا۔ آنحضرت صلعم کی تقریب نکاح میں سرپستی قرمانی اور ایجاب و قبول کی وکالت کی۔ اس موقع پر خدائے واحد کے شکرانہ میں اشعار پڑھے۔ دعوت ذوالعشرہ سے شہب ابی طالب میں محصوری تک اور پھر عام الحزن ۳ وہ سال جس میں آپ اور حضرت خدیجہ نے وفات پائی اور آنحضرت صلعم نے اس سال کو "غم کا سال" (عام الحزن) قرار دیا [ میں رحلت تک سخت مشقتوں اور مصائب کا ثبوت دیا۔ کسی موقع پر بھی کلمہ کفران کی زبان سے نہ نکلا۔ نہ رسول اللہ صلعم نے اور نہ کسی معصوم نے اور نہ برگزیدہ رواہ صحابہ کے اجماع نے ان کے کفر کے بارے میں اعلان کیا۔ نہ ان کے ایمان پر تردید یا انکار کا اعلان سامنے آیا۔

رسول اکرم صلعم نے ان کو "باپ" کہہ کر پکارا اور ان کی رحلت پر گریہ

ورج فرمایا۔ ان کے تمام فرزندوں نے رسول اللہ کے لئے فداکاری کی۔ شیعہ امامیہ کا موقف ہے کہ برطرا اعلان بیعت مگر ناکمال حکمت تھی۔ وہ پہلے سے بلکہ قبل از بعثت خدا و رسول صلعم پر ایمان رکھتے تھے ان کو ایمان کے اعلان کی ضرورت بھی کیا تھی! مثلاً فرعون کی بیوی مومنہ تھی لیکن حکمتاً مصالح عظیم کے پیش نظر اپنے ایمان کو چھپائے رکھا، مومن آل فرعون حبیب بخاری کی مثال تاریخ میں محفوظ ہے۔

۹۔ خاک پر سجدہ :- شیعہ علماء کا اجماع ہے کہ زمین پر سجدہ کرنا افضل ہے۔ ائمہ معصومین کے ذریعے ان کے جد رسول خدا صلعم کی روایت ہے کہ "سب سے افضل زمین پر سجدہ کرنا ہے۔" ایک روایت میں جو اسحاق بن الفضل سے مروی ہے، امام حسینؑ سے چٹائی اور بوریا جو قصب سے بنائی گئی ہو پر سجدہ کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو امامؑ نے فرمایا "کوئی سراج نہیں ہے۔"

بخاری اور مسلم میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول خداؐ کے پاس کھجور کی چھالوں اور مٹی سے بنی ہوئی ایک چیز سجدہ گاہ کی طرح کی تھی جن پر حضورؐ سجدہ کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں کتاب الحيض میں ہے کہ جناب عائشہؓ فرماتی ہیں :-

"رسول خدا نے مجھ سے فرمایا (خمرہ) سجدہ کرنے والی چیز مجھے دیدو۔" جناب عائشہؓ نے کہا: "میں حیض سے ہوں، تو رسول خداؐ

نے فرمایا ہے " تمہارے ہاتھ میں تو حیض نہیں ہے۔ (امام مسلم مزید فرماتے ہیں کہ خمرہ ایک چھوٹا سا سجادہ ہوتا ہے جو صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس پر سجدہ کیا جاسکے۔ ایک روایت بخاری میں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلعم زمین پر سجدہ کرنے کو محبوب رکھتے تھے۔ روایات میں ہے کہ امام حسینؑ زمین پر سجدہ کو انکساری و تواضع کے اظہار کا ذریعہ کہتے تھے۔ شیخ امامیہ مٹی پر سجدہ کو افضل سمجھتے ہیں اور چھوٹے چپٹے ڈھیلا کا سجدہ گاہ رکھتے ہیں جو زیادہ تر کر بلا میں بنتا ہے۔ علماء کرام ایسے سجدہ گاہ کو ترجیح دیتے اور پسند کرتے ہیں جو سادہ و صاف ہو اور جس پر کچھ کندہ یا لکھا ہوا نہ ہو۔

۱۰۔ ولایت فقیہ کے اساسی تحد و خال :-

ولایت فقیہ سے مراد ہے حکومت اسلامی، جس کا سربراہ متقی اور باصلاحیت عالم و فقیہ ہو۔ انتظامات کی نگرانی وہی کرے سیاسی اور نظمی قوت و گرفت قوہ اجراء کے لئے موثر ذریعہ ہے، جب یہ میسر نہ ہو تو قوہ افتاء یعنی فتوے شری صادر کرنے کی قوت تو موجود ہوتی ہے اس کو عملانے کا قانونی ذریعہ میسر نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے جب اور جہاں اس کا شرعی امکان ہو، شرعی حدود و مسائل کے ذریعے اس کا قیام و ترویج و تظیف شرعی ہے۔

ولایت امر اور ولی فقیہ  
أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ  
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ مِنْ

بظاہر چار ولایتوں کا اشارہ ہے :-

۱۔ ولایت خدا، ۲۔ ولایت رسول، ۳۔ ولایت امام، ۴۔ ولایت فقیہ۔ دوسری طرف لآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار اس اعتقاد کا اظہار ہے کہ "ایک ولایت" کے علاوہ کوئی ولایت نہیں ہے۔ ولایت خدا کے مقابل میں "ولایت رسول" کا کوئی الگ وجود نہیں ہے۔ ولی کا وجود ہے۔ سورہ انعام میں وضاحت ہے کہ رسول صلعم کو جھٹلانا اللہ کے نزدیک اللہ کو جھٹلانا ہے۔ سورہ نساء آیت ۶۸ سے واضح ہے کہ ولایت رسول و ولایت اللہ ہے۔ یہ الگ الگ اور مختلف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی حاکمیت کے بارے میں "ولایت رسول" کے ذریعے امتحان میں ڈالتا ہے۔

خوارج کہتے تھے لَّا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ۔ وہ سورہ یوسف آیت ۴ کا حوالہ دیتے تھے، اِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ۔ یہ کلمہ سچ ہے لیکن خوارج اس کو غلط طریقے پر پیش کرتے تھے، ان کا مقصود اس سے باطل تھا وہ اللہ کی حکومت زمین پر نہیں چاہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ گویا اللہ خود آ کر حکومت کرے گا۔ ورنہ حکومت کا حق کسی کو نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت فعلًا انسان ہی چلائے گا لیکن اللہ کے قانون

کے مطابق چلائے گا۔

رسول اللہ صلعم کے بعد ولایت امر کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا ہے، اہمیت میں منتقل ہوتا ہے۔ خلا، وسیدہ کے بغیر یہ کام انجام نہیں دیتا ہے۔ ولی یعنی ولایت کا اہل، 'پدوں اللہ' نہیں، 'فی طریق اللہ' یعنی اللہ سے الگ ہو کر نہیں، "اللہ کے راستے میں" حکومت کا نظام چلائے گا۔ اللہ اگرچہ ہر جگہ حاضر و قادر ہے لیکن اس نے انبیاء اور اوصیاء کے ذریعے یہ امر انجام دلایا۔

"مَنْ كُنْتَ مَوْلَاَهُ فَهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَاَهُ"

اسی ولایت کا اعلان ہے۔ حضرت علیؑ کے بعد ائمہ طاہرینؑ کا سلسلہ ۲۳ھ یعنی امام مہدیؑ کی غیبت کبریٰ تک چلا۔ تب سے اصولاً یہ ولایت معطل نہیں، جاری ہے۔ احکام خدا کا اجراء اور ان کا نفاذ معطل نہیں رہ سکتا۔

ولی فقیہ میں ان خصوصیات کا ہونا ضروری ہے :-

- ۱۔ اسلام، ۲۔ عقل، ۳۔ قدرت و حسن تدبیر یعنی صلاحیت
- ادارہ جامعہ، ۴۔ علم، ۵۔ عدالت، ۶۔ مرد ہونا، ۷۔ حلال
- زادہ ہونا۔ عقلاً یہ ممکن نہیں ہے کہ لوگوں کے مال، جان اور ناموس کو (یعنی اس اتھارٹی کو) جس کے ہاتھ میں دیا جائے وہ متقی نہ ہو۔ قرض، لین دین، عدالت، امامت نماز جماعت، طلاق وغیرہ جیسے

امور کے لئے دو عادل شواہد کا ہونا اور گوہی دینا ضروری ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ "ولی فقیہ" کی عدالت اور تقویٰ کی منزل بلند ہونی چاہئے۔ جو منصب دار نفس پرست اور جاہل ہوتے ہیں، ملک کے مال و جان کا بیجا استعمال کر کے تباہی مچاتے ہیں۔

امام صادقؑ نے اس کے لئے چار شرائط کی نشاندہی فرمائی ہے :-  
 ۱۔ اپنے خواہشات کو قابو میں رکھتا ہو، ۲۔ دین کی حفاظت میں متوجہ رہتا ہو، ۳۔ صوفی و ہوس کا مخالف ہو، ۴۔ اپنے مولا کی اطاعت میں لگا رہتا ہو۔

ولی فقیہ کا "مدیر اور مدیر" ہونا صلاحیت ادارہ جامعہ ضروری ہے۔ اگر علم اور تقویٰ رکھتا

ہے لیکن سیاست دان نہیں ہے، جامعہ شناسی نہیں ہے، سیاست زمان پر نظر نہیں رکھتا ہے، شجاعت، قوت فیصلہ اور سیاسی نظر نہیں رکھتا ہے تو وہ جامعہ (سوسائٹی) پر اجتماعی حکم نافذ کرنے کا اہل نہیں ہوگا۔ (البتہ ہر حال میں سیاسی و انتظامی اقتدار کا عمل دخل شرط التزامی نہیں ہے)

اختیارات ولی فقیہ  
 ۱۔ ولاء اقسام :- یعنی فتویٰ کی ادارت و اجراء، ۲۔ ولاء قضاء یعنی سپریم جوڈیشل پاور، ۳۔ ولایت (حکومت و مہری) براموال و انفس

یعنی لوگوں کے مال و جان پر اختیار :-

اس بار میں فقہاء کے درمیان خطوط اختیار پر اختلاف ہے۔ بعض اختیار کئی کے قائل ہیں اور بعض محدود اختیار کے قائل ہیں۔ غالب نظریہ یہ ہے کہ حالات شدید ضرورت کا تقاضا کرتے ہوں، فساد شخصی یا نوعی واضح ہو، اصلاح ناگزیر ہو، امکان واضح ہو تو اس اختیار کا استعمال ولی فقیہ کر سکتا ہے۔

ولی فقیہ کے سامنے کبھی درج ذیل نوعیت کے مسائل آتے رہتے ہیں۔ مثلاً غاصب، حملہ آور دشمن کی لوٹ مار، قاصرین پر ولایت کی صورت مثلاً دیوانہ، یتیم، امور حبسیہ اور حادثہ واقعہ (یعنی ہنگامی قسم کے مسائل و امور جن کے تکلیف شرعی کا جتنا ضروری ہے)۔ اسلامی حکومت کی موجودگی میں درآمدات اور برآمدات کے شرعی حدود طے کرنا۔ داخلی اور خارجی روابط۔ اطلاعاتی (جاسوسی) امور۔ سرمایہ کاری اور جدید ٹیکنالوجی کے اطلاق سے پیدا شدہ نئے مسائل کا حل وغیرہ۔

**عمومی تبصرہ :-** شیعہ امامیہ کے متعلق بعض مسائل اور اوامر میں عجیب قسم کی غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں اور بعض

لہ نوٹ: ولایت فقیہ کے موضوع پر مختصر روشنی سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ امت میں معروف مکاتب فکر اسلامی کے لئے ایک دوسرے کی نزدیکی اور اجتہادی کمزیریت کی موجودگی کس قدر اہم ہے۔

مسائل میں عام بے توجہی کی وجہ سے، اصول و شرائط اور قواعد کے سلسلے میں خود عامۃ الشیعہ بھی غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ جبکہ نئے سے نیا مسئلہ بھی علماء فقہ نے حل کر دیا ہے اور مراجع (مجتہدین اہل افتاء) کے "توضیح المسائل" کتب میں فتویٰ کے ساتھ موجود ہیں۔ اور شرائط واضح ہیں۔ مثلاً نکاح اور مرد و زن کے تعلقات کے بارے میں جس طرح مسائل شیعوامامیہ میں، تفصیل و استدلال کے ساتھ واضح اور صادر ہیں۔ کفو، مہر، اجازت والد/سرپرست وکیل شرعی برائے باکرہ، ایجاب و قبول، طلاق بائن، طلاق رجعی، خلع، خلع بواسطہ حاکم شریعت، نکاح دائمی و معین مدت کی نکاح کے شرائط و حدود، نان و نفقہ وغیرہ تجارتی معاملات، تقسیم ترکہ کی تشاندہی، تعزیرات، معاشیات کے مسائل اور جدید مسائل مرتب و مدقون ہیں۔

**عوامل اتحاد اسلامی** ۱۔ مسلمانوں میں فروعی اور جزوی مسائل پر بعض اوقات سخت

چپقلش ہوتی ہے۔ مثلاً رفع یدین اور آئین بالجہر پر گروہ بندیاں ہوتی ہیں۔ تجوید و تلفظ کی بحثیں چلتی ہیں۔ اس روش میں مثبت اپروح کی ضرورت ہے۔ ۲۔ مسلمانوں میں فقہی مسائل میں اختلاف بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ مسائل میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً فقہ امامیہ کے متعدد مسائل مالکیہ سے ملتے ہیں۔



بہت سے اجتماعی امور میں حنا بلہ اور امامیہ کے درمیان گہرا فکری رابطہ ہے۔ شخصی مسائل میں حنفیہ، امامیہ اور شافعیہ کے متعدد مسائل ملتے ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی مسئلے کے کئی مجتہدین کی رائے میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ بنیادی اصول کے مفہیم میں یکسانیت بھی ہے۔ ہر وہ شخص (مسلمان) جو توحید، رسالت و ختم نبوت اور آخرت پر اعتقاد رکھتا ہے اس کا اقرار کرتا ہے، اصولاً دائرہ اسلام میں شامل ہے۔

۳۔ دعوت الی اللہ اور مجادلہ (بحث و مباحثہ) میں حکم قرآن کے مطابق، ہر مسلمان کو حکمت، موعظ حسنہ اور حیدر احسن اپنانے کی تاکید ہے۔ تبلیغ کا انداز یا حوالہ مثبت اور اصلاحی ہونا چاہیے۔ مختلف مسالک اسلامی خصوصاً مذاہب خمسہ کے مدارک و عقائد سے صحیح واقفیت ہونی چاہیے۔ یعنی اس کا ماخذ اور ذریعہ اچھے اور متقی اہل علم و افتاء اور اچھی اور دلپذیر کتابیں ہونی چاہیے جس سے تعصب نہ چھلکتا ہو، محبت، خلوص، ایثار اور جذبہ اخوت و اصلاح حقیقی کا ولولہ و شوق چھلکتا ہو۔ جن میں اپنے موقف کی ترجیحی مثبت اور مؤدب انداز میں کی جاسکے۔

۴۔ تبلیغات و تجارتیک کا اصل مقصد انسانی قدروں کا احیاء اور شریعت اسلامی کے مائلی اور مرکزی احکام کی بالادستی ہونی چاہیے۔ مکان و زمان، ملک و معاشرہ کے مزاج و ضرورت کا احاطہ بھی کرنا چاہیے۔

۵۔ امت مسلمہ کے دنیوی و اخروی فوائد کے پیش نظر تمام مسالک اسلامی کو بنیادی اور مشترکہ مسائل میں وحدت فکر و عمل کی کوشش کرنی چاہئے۔

۶۔ اہل سنت کے چار معروف مسالک اور شیعو امامیہ کے معروف مسلک و ہمہ گیر (شیعو امامیہ) یعنی مذاہب خمسہ کے درمیان تقرب اور استفادہ عامہ کے ذریعے عالمگیر تحریک کو منظم کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ ۱۹۵۶ء میں ایران کے آیت اللہ سید بروجردی اور مصر (جامعہ الازھر) کے مفتی اعظم شیخ محمود شلتوت نے "دار تقرب بین المذاہب خمسہ" کی جو بنیاد رکھی تھی اسے استوار اور وسیع کرنا چاہئے۔

۷۔ مبلغین کو انسان پر انسان کے حقوق، مسلمان پر مسلمان کے حقوق، پڑوسی پر پڑوسی کے حقوق، رشتہ دار پر رشتہ دار کے حقوق، ماں باپ اور اولاد کے باہمی حقوق، بھائی پر بھائی کے حقوق، بہنوں اور بیٹوں کے حقوق، شوہر و بیوی کے باہمی حقوق، فرد اور سوسائٹی کے روابط، کمزور، مظلوم، محکوم، غلام وغیرہ کے حقوق، نباتات و حیوانات کے بارے میں انسان کی تکلیف اور جوہریات اسلام کی نشاندہی کرنی چاہیے۔

۸۔ مسلمان آپس میں بین الاقوامی سطح پر ایک دوسرے کے امور و مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرنے کا درد اور احساس پیدا کریں اور

علمی و تجارتی و تبلیغاتی تعلقات کو استوار کریں۔ ایک دوسرے کی مجالس و مساجد میں جائیں۔ ایک دوسرے کے مسالک کا مطالعہ کریں۔ فیض عمومی کی نظر پیدا کریں۔ اور ایک دوسرے کے نکتہ نظر کو اسلامی اخلاق اور معقولیت پسندی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔

۹۔ تعزیرات اسلامی میں فقہی و اجتہادی مرکزیت کو مجتمع کرنے کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، تاکہ قانون کا تقدس یا مال نہ ہو اور غیر شرعی حرکات اور اقدامات سے اسلام اور مسلمان بدنام نہ ہوں۔

۱۰۔ اسلامی بیداری اور نفاذ شریعت اسلامی کے لئے مختلف مکاتب فکر اسلامی کے درمیان فکری ہم آہنگی ضروری ہے۔ بندوں کے ہاتھوں قانون الہی کے اجراء میں قضاوت و تحقیق بنیادی شرائط ہیں۔ سماجی فلاحی مسئلہ ہو یا سیاسی تنظیمی، افراط و تفریط، مضر اور معیوب ہے۔

۱۱۔ اسلام کو عملاً نافذ کرنے کے سلسلے میں بڑی مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ خود آنحضرت صلعم کے زمانے میں بہت سے مسلمانوں پر تعزیراتی عقاب کا اطلاق ہوا۔ جرموں پر سزائیں دی گئیں۔ بعض خدا ترس اور تائب گناہ کے بعد خود پیش ہوئے تاکہ سزا پا کر پاک ہو جائیں۔ صرف تحریک اسلامی یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر اور خصوصاً مسلم معاشروں کی سطح پر تیر کا غلبہ ہے۔ اور شرمغلوب ہے۔ اگر ہم یہ

سوچیں کہ شرپوری طرح ختم ہو جائے یہ خیالی یا اعتقائی ذہنیت کی دلیل ہوگی البتہ ہماری باطنی تمنا اور ظاہری کوشش اس نہج اور استقلال پر قائم رہنی چاہئے۔ اہل اسلام میں غلطیاں مٹ جائیں۔ انتشار ختم ہو جائے، اسلامی شریعت پر عمل کیا جائے، یہ ہدف ہے۔ غلطیوں کے ارتکاب میں کمی غلبہ خطا سے بہتر ہے۔ اسلام اور دوسرے نظاموں میں یہ امتیاز باقی رہنا چاہئے کہ ڈپلومیسی کے نام پر اسلامی حاکم فریبی سیاست میں ملوث نہ ہوں، داخلی سطح پر ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانی نہ کریں۔ غیر مسلموں میں انسانی سطح کے اقدار و اخلاق کو تقویت پہنچائیں۔ ڈیموکریسی کے نام پر قول و فعل میں تضاد کا آئینہ دار کر و قریب رائج ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

## ۱۲۔ قرآن کے بین الاقوامی ارشادات

- ۱۔ خالق کی رحمانیت کا عموم اور ربوبیت کی ہمہ گیری۔ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) میں رَحْمٰن کا ربط تمام موجودات سے ہے)
- ۲۔ ہمہ گیر ایمان کا اعلان (لِقُرۃ آیت ۳)
- ۳۔ دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں (لِقُرۃ: ۲۵۶) دعوت الی اللہ میں جبر و استکراہ جائز نہیں۔
- ۴۔ امداد یا ہمہ اور تیرات میں مذہب و ملت کا سوال نہیں (لِقُرۃ: ۲۵۲)

- ۵- انسانی برادری اور ان کے حقوق کی تاکید (النساء: ۱) (مسلم وغیر مسلم پڑوسی اور ہم معاشرہ کے حقوق۔ رشتہ داروں کے حقوق، لوگوں کے حقوق)
- ۶- مسلم معاشرہ میں غیر مسلم کو صفائی کا پورا موقع دینا ضروری ہے (النساء: ۱۰۵-۱۱۳) تاکید و ترغیب
- ۷- دوست اور دشمن کی تفریق کے بغیر عدل و انصاف کی زندگی (مائدہ: ۸)
- ۸- دوسروں پر نکتہ چینی کے بجائے خود اپنی خبر لیں (المائدہ: ۱۰۸)
- ۹- اللہ کو جس سے کام لینا منظور نہیں (یونس: ۹۹)
- ۱۰- انداز تبلیغ و دعوت میں صبر و برداشت کی ضرورت (التخل: ۱۲۵-۱۲۷)
- ۱۱- آپ کا فیض تمام عالمین کے لئے ہے (الانبیاء: ۱۰۷)
- ۱۲- عبادت کا ہوں کا احترام (الحج: ۳۰)
- ۱۳- بہتر سے بہتر اچھائی سے برائی کا دفعیہ (المؤمنون: ۹۷)
- ۱۴- بندگان الہی کی شان۔ تواضع و فروتنی (الفرقان: ۶۳)
- ۱۵- حسن انجام کا انحصار عام لوگوں کی خیر سگالی (القصص: ۸۳)
- ۱۶- ذات اور برادری (قبیلہ) کے لحاظ سے اونچ نیچ کا خاتمہ اور فضیلت و بزرگی کا کردار پر انحصار۔ (الحجرات: ۱۳)
- ۱۷- بلا تفریق فرقہ، حسن سلوک اور انصاف پروری (الممتحنہ: ۸)
- ۱۸- زمین و آسمان میں جو کچھ ہے انسان کے داؤ پر لگایا گیا تاکہ وہ غور و فکر کرے۔ (الحجاثہ: ۱۳)

**شیعہ امامیہ اور عزاداری**  
شیعہ امامیہ کے وجہ تسمیہ پر گزشتہ باب میں روشنی ڈالی جا چکی ہے عزاداری

مراد ہے "ہاتھ پیرسی کی یادگار قائم کرنا" اصطلاح میں اس سے مراد کربلا کے شہیدوں کے واقعات کو یاد کر کے رونا کرنا ہے۔ تاریخ میں سنی و شیعہ حوالوں سے ثابت ہے کہ اولین مجلس عزائید کے محل میں ہی منعقد ہوئی۔ زوہر زید مومنہ اور محبت اہل بیت تھی۔ جب اس نے سنا کہ جناب زینبؑ بختا ام کلثومؑ اور اہل بیت رسولؐ کی دوسری خواتین بے پردہ دربار میں، اغیار کے درمیان لائی گئی ہیں وہ محل خا سے نکل کر سر برہندہ دربار میں آکر اپنا سر پٹنے لگی، اس نے زید کو کوستے ہوئے اسے اس کا احساس دلایا۔ چنانچہ زید نے اپنی خجالت پر پردہ ڈالنے کیلئے اپنی زوہر کی تحریک پر لئے ہوئے کربلائی قافلہ کو محل کے ایک الگ تھلک مکان میں جگہ دی۔ جناب زینبؑ نے یہاں مجلس عزاکو برپا کیا، جن میں وہ معظمہ پہلے حمد باری تعالیٰ کو بیان فرماتی تھیں، پھر شہر طیبہ رسول اللہؐ کا تذکرہ ہوتا تھا، پھر اہل بیت رسولؐ کی تعریف و فضل کا بیان ہوتا تھا، پھر واقعہ کربلا کے دلہ وز حالات کو جگر سوز اور پُر درد لہجے میں پیش کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کے فصیحاً و دلپذیر بیان و بکا کے نتیجے میں، محل کے دوسرے مکانوں سے بھی روتے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ چنانچہ دونوں تک یہ حال دیکھ کر زید نے اسیران کربلا کو محل سے دُور ایک پرانے قید خانہ میں رکھا۔

شام کے عام لوگوں کو، جو ائمہ جمیعہ کے ذریعے علی و آل علی پر (اموی اقتدار کی جانب سے) سب و شتم اور بہتان تراشیوں کی پروکندہ انشیرس کی مہمت حد تک شکار ہو چکے تھے، واقعہ کربلا کے محرکات اور پس منظر کا احساس

ہونے لگا تھا۔ ایک روز زین العابدینؑ نے جامع مسجد دمشق میں نماز جمعہ کے موقع پر امام زین العابدینؑ کو قید خانہ سے بلایا، شامی خطیب سے کہا کہ منبر پر چڑھ کر خطبہ دے۔ جب اس نے حسب معمول علیؑ و آل علیؑ پر بت و ستتم کیا اور زین و بنو امیہ کی تعریف کی تو امام زین العابدینؑ نے کھڑے ہو کر اس کی مذمت کی، پھر زین سے کچھ بیان کرنے کی اجازت چاہی، لوگوں نے زین سے کہا کہ وہ اہل حجاز کی قصاصت کے قابل ہیں اور ان سے کچھ سنا چاہتے ہیں۔ امام منبر پر گئے اور حمد و ثنا کے بعد شان اہل بیتؑ اظہار اور واقعہ کربلا کے پس منظر میں حقائق سے پردہ اٹھایا۔ اپنے درد بھرے لہجے میں گریہ فرماتے ہوئے امام مظلومؑ کے تشدد و ظلم کے تذکرے فرمائے تو یہ صحیح مجلس عزاء میں بدل گیا۔ اہل بیتؑ کی محبت نے دلوں میں جوش مارا اور گریہ کا سماں چھا گیا۔ اس طرح مجالس عزاء کی آغاز ہوا جس کا مدعا واقعہ کربلا کے وقوع کے اسباب اُجاگر کرنا تھا۔ امام زین العابدینؑ کی مجالس عزاء سے تشدد اور انسانیت سوز مظالم کے خلاف نفرت پیدا ہونے لگی۔ معصوم شہادت حسینؑ کے عوامل و ذمہ ہونے لگے اور اہل بیتؑ کے علم و سیرت سے استفادہ کے مواقع پیدا ہوتے گئے۔ جن سے اسلام اور انسانیت کے مفاہیم کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔

ائمہ طاہرینؑ نے امام حسینؑ کی مظلومیت کا تذکرہ کرنے کے لئے مجالس عزاء کو منفقہ کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے اس وقت گریہ فرمایا تھا جب حضرت جبرئیلؑ نے شہادت امام حسینؑ کی خبر دیتے ہوئے، کربلا کی مٹی بھی دی تھی جس کو آپؐ اتنے اشکبار ہو کر ام المومنین جناب ام سلمہؓ کو شیشی میں بند کر کے دے کر فرمایا تھا "ہیں روز یہ مٹی خونین ہو جائے سمجھنا میرا یہ لاڈلا حسینؑ شہید کر دیا گیا ہے!"۔ شریعت امام حسینؑ کی مٹی آج دنیا میں جہاں

کہیں بھی موجود ہے، روز عاشورا خونین ہو جاتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ خاص طور سے ان مجالس کا اہتمام فرماتے تھے۔ اہل بیتؑ نے مظلوم مہاجر کے لئے شعراء ذاکرین کو تحائف سے نوازا۔ بارہویں امام کی غیبت کے بعد فقہاء، مجتہدین نے بھی مجالس عزاء کا اہتمام فرمایا۔

**عزاداری کے فائدے** ۱۔ مجالس عزاء اسلامی تبلیغات کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہیں، تذکرہ واقعات کربلا سے تمام مسلمان، خصوصاً مذاہب خمسہ (کم و بیش) استفادہ کرتے ہیں۔ ۲۔ مجالس عزاء میں سیرت اہل بیتؑ سے سامعین کو روشناس کرتے ہیں۔ ان کی پاک زندگی کے واقعات کا تذکرہ ہوتا ہے جس سے معاملات میں حق کی پاسداری کا احساس بڑھتا ہے۔ شوقِ عملی اور جہادِ کردار میں اتقاد ہوتا ہے۔ اپنے محبوب مولا حسینؑ کے لئے اظہارِ عشق کرنے والے پر یہ راز منکشف ہو جائے کہ خود ان جنابؑ کو اپنے نفس اور اعزہ و انصار سے عزیز تر کوئی چیز تھی تو اس کے فکر و عمل میں انقلاب برپا ہو جائے۔ ۳۔ مجالس عزاء میں شرکت سے مکر و فریب اور ظلم و تشدد سے نفرت پیدا ہوتی ہے، قانون شریعت سے حیا کرنے اور اللہ سے خوف کھانے میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ عمر عاشورا، رسول اللہؐ کی نختِ جگر، خاتونِ جنت جناب فاطمہ زہراؑ کی بیٹیوں کے سر سے چادر چھین لی گئی۔ منافقین نے اس گھرانے کی بیٹیوں سے زیور اور کپڑے تک چھین لئے۔ سیکندہ بنت الحسینؑ کے کانوں سے دُر کھینچ کر چھین لئے۔ یہ امام حسینؑ کی شہادت کے فوراً بعد ہوا۔ خیموں کو لوٹ لیا گیا پھر آگ لگا دی گئی۔ اس وحشیانہ گراؤٹ کو مادہ کر کے انسان

اپنی امانیت اور حیوانیت پر شرمندہ ہو جاتا ہے۔ عملی طور پر عزا دارانِ حسین عموماً دنیا کے سماجی و سیاسی حادثات کے اندر گھسپن جانے پر لوط مار میں ملوث ہونے سے احتراز کرتے ہیں۔ ۵۔ مرثیہ گوئی سے زبان و ادب میں ترقی ہوتی ہے، ایثار و مروت کی قدروں کو تقویت ملتی ہے۔ لوگ شوق سے ایک دوسرے کو کھلانے پلانے میں مسرت محسوس کرتے ہیں جو مومنانہ علامت ہے۔ سبیل دیتے ہیں، بھوکوں کو کھلانے اور پیاسوں کو پانی پلانے سے نیکی کا جذبہ بڑھتا ہے، نیک بننے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ معاشرہ میں امن و سلامتی کے قیام کا ولولہ اجاگر ہوتا ہے اور اعلیٰ مقاصد کے لئے انسان جان تک قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ ۶۔ عزا داری سے مقامِ مقدّسہ کی زیارت کا شوق اور سُبُوْر و اِنِی الْاَرْضِ کا ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مختلف قوموں، ملتوں اور ملکوں کے سماجی و سیاسی حالات کی واقفیت کے لئے بالواسطہ یا بلا واسطہ مواقع کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ تاریخ اسلام کے نشیب و فراز کو جانتے کا موقع ملتا ہے۔ صالح تجارت اور اقتصادِ دیروابط کو وسعت ملتی ہے۔ ۷۔ علماء و اعلیٰین مجلس عزا کے آغاز میں قرآنی آیت کا حوالہ دیتے ہیں، اس موضوع پر احادیث اور معتبر روایات کے حوالوں سے، کلام، فقہ، اخلاق و سیرت اور تاریخ و سیاست پر روشنی ڈالتے ہیں۔ روشنی خوانی (مرثیہ خوانی) کو حمد باری تعالیٰ سے شروع کیا جاتا ہے، پھر سیرت النبویہ اور معجزات انبیاء کا تذکرہ ہوتا ہے۔ معروف اسلامی واقعات کا بیان ہوتا ہے، پھر ائمہ طاہرین کے علم و فضل، شرف و کمالات اور ان کے بلند و پاکیزہ اخلاق پر موثر انداز میں

روشنی ڈالی جاتی ہے۔ آخر میں صبر و اثبات اور ایمان و ایقان کے مظاہر واقعات کر بلا کا بیان پر در دلہی میں ہوتا ہے۔ انسان میں مصائب و ابتلاء پر تحمل کے ساتھ ثابت قدم رہنے کا مادہ بڑھتا ہے۔ توسل، توکل اور یقین کے مراحل شناسنت میں ترقی ہوتی ہے۔ ۸۔ عموماً جب کسی مسلم خصوصاً عزا دار شیعہ مسلم کا کوئی عزیز رحلت کرتا ہے یا کسی حادثہ میں جان بحق ہوتا ہے۔ تو شہداء، کر بلا کی یاد سے جدائی کا داغ دھل جاتا ہے۔ مثلاً جوان بیٹے کی جدائی کا غم ہو تو جناب علی اکبر یا جناب قاسم کا مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ مکن یا شہر خوار پیکے کا غم ہو تو شمس ماہ شہید علی استغمر کا مرثیہ، بھائی کی جدائی کا داغ ہو تو حضرت عباس کا مرثیہ پڑھا جاتا ہے بہن کے گزرنے یا بیٹی کے جوان مرگ ہونے کی یاد ستانی ہو تو جناب زینب و جناب سکنہ کے صبر و اثبات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ بیوی کے گزرنے پر کسی کو پُرس دینا ہو تو جناب ام لیلیٰ و جناب رباب کے آلام و مصائب کی یاد تازہ کر کے اس کو تسلی دی جاتی ہے۔ کسی عزیز دوست کے گزرنے کے صدمے کو حبیب ابن مظاہر، مسلم بن عوسجہ وغیرہ کے تذکرہ سے مندل کیا جاتا ہے۔ ۹۔ مجلس عزا ایک عظیم انسانی درس گاہ ہے جس میں واقعات کر بلا کا تذکرہ، دوست کو مصیبت میں ساتھ دینے کا مثالی سبق سکھاتا ہے۔ بھائی بہن کے فطری رشتے کے تقاضوں، باپ بیٹے، باپ بیٹی، ماں و اولاد، چچا بھتیجے وغیرہ کے تعلقات کی عظیم مثالیں یاد دلاتا ہے۔ تذکرہ کر بلا طے امیر کے حکم کی متابعت اور امام سے وفا شعاری کی لذت آشنائی ہوتی ہے۔ دیانت، متانت،



ذہانت، جرات اور شجاعت کا درس ملتا ہے۔ مصیبت پر صبر اور نعمت و قراوتی میں شکر و ایشار کے پھول کھلتے ہیں، مُردہ اور بے جان دلوں میں امید و توکل کی کلیاں پھوٹتی ہیں۔ نیکر اور کفرانِ نعمت سے اجتناب کرنے کی دور اندیشی پیدا ہوتی ہے، اس طرح اہل بیتؑ کے وسیلہ نجات ہونے کا مفہوم نکھر جاتا ہے۔ ۱۰۔ عزاداری، انسان کو باعمل بنا دیتی ہے۔ سزا و جزاء اور عدل کے مفاہیم کو موثر انداز میں سمجھاتی ہے۔ صالح زندگی گزارنے پر آمادہ کرتی ہے۔ سازشی ذریعہ سے مطالب کو حاصل کرنے سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ ظلم و تشدد کے خلاف ابھارتی ہے، دین کا جذبہ راسخ کرتی ہے، اتحاد کا درس دیتی ہے۔

عمومی طریقہ یہ ہے کہ مبلغ، وعظ (مجلس) پڑھتا ہے، وہ اپنے بیان کو کربلا کے کسی پُر درد واقعہ سے جوڑ کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے بعد ذکر سوز خوانی (مرثیہ خوانی) کو کلام نے اس کے ساتھ ربط دیتا ہے، جس میں مذکورہ واقعہ کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد سینہ زنی (ماتم) کی جاتی ہے بڑے امام باڑوں میں کئی کئی واعظین ایک ہی مجلس میں یکے بعد دیگرے خصوصاً خاص ایام میں، وعظ خوانی کرتے ہیں۔ اختتام پر "ماتم" کے ساتھ ملبوس علم شریف برآمد ہوتا ہے۔ ماتمی دستے نوہ خوانی کرتے ہوئے سینہ زنی کرتے ہیں۔ جلوس عموماً کسی امام باڑہ میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

## ماتم کے نشانات

۱۔ علم :- یہ حضرت عباسؑ (علیہ السلام) کے علم کی یاد تازہ کرتے والا شبیہ ہے، اوپر کے سرے پر نیچے (چاندی کا بنایا ہوا ہاتھ) لٹکایا جاتا ہے۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ حق کا معنوی ہاتھ کسی بھی حالت میں دستِ ظالم میں نہ دیا گیا بلکہ ہمیشہ اُوپنچا رہا۔ نیچے کے علم میں مختلف رنگوں کے پارچوں کو لٹکایا جاتا ہے، جو تاریخ اسلام میں استعمال کئے گئے متعدد رنگوں کے جھنڈوں (رایتوں) کی معنوی عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً جناب حمزہؑ نے جو علم ساتھ لیا تھا اس کا رنگ زرد تھا، خبیر کی جنگ میں علم لشکر اسلام سفید تھا، حضرت علیؑ کا نشان لشکر سفید بھی تھا اور سبز بھی، بعض غزوات میں سبز رنگ کا پرچم لشکر اسلام کی نشانی تھی۔ امام حسینؑ نے جو علم کربلا میں حضرت عباسؑ کے ہاتھ دیا تھا اس کا رنگ سُرخ تھا۔ امام رضاؑ نے ولی عہدی کے زمانہ میں سبز رنگ کے نشانات مقرر فرمائے تھے۔ یہاں علم کے رنگوں سے غرض نہیں ہے، نہ اس کو کسی مادی حیثیت سے متبرک مانا جاتا ہے بلکہ یہ تاثر معنوی ہے۔ علم پر عموماً آیات قرآنی اور پنجتنِ پاک کے اسماء گرامی کشیدہ ہوتے ہیں۔ عموماً لوگ ان کو مس کرتے ہیں۔ کسی کھائے جانے والی چیز کو مس کر کے بطور تبرک کھلتے اور کھلاتے ہیں۔

۲۔ شبیہ ذوالجناح :- ذوالجناح امام حسینؑ کے گھوڑے کا نام تھا۔ شبیہ ذوالجناح نکال کر لوگ یہ یاد کرتے ہیں کہ یہ گھوڑا اپنے مالک

کے بغیر خیمہ گاہ کی جانب آیا تھا۔ امام بارگاہ کے داخلی دروازہ کو خیمہ گاہ کی شکل میں تعمیر کیا جاتا ہے۔ متعدد علاقوں خصوصاً ہندوستان میں تعزیرے نکالے جاتے ہیں۔ جو ائمہ و شہدائے کربلا کے روضوں کی نشانی ہوتی ہے۔ کہیں پر علی اصغرؑ کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے گہوارہ بھی بنایا جاتا ہے۔ نشانات عزاداری مسنون طریقوں پر بھی مستعمل ہیں اور رسموں پر بھی۔ میاں رحیم کو مجتہدین کرام، زمان و مکان کے لحاظ سے ممتوع قرار دے سکتے ہیں، جس طرح قمہ زنی کو ممتوع قرار دیا گیا۔ البتہ خالی زنجیروں کا استعمال بعض علاقوں میں ہوتا ہے۔ غم حسینؑ میں رونے، نالہ و فریاد بلند کرنے اور سینہ زنی کرنے کو علماء مجتہدین نے ناجائز قرار نہیں دیا ہے۔

یادگار حسینیؑ کی مناسبت سے، خصوصاً ایام محرم کے دوران لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ جس میں امیر و غریب کما حقہ، سمبھی (صاحبان نذر) صفحہ لیتے ہیں، طبی ریلیف مہیا کیا جاتا ہے، نادار بیماریوں کے لئے بلڈ کیمنٹ منعقد کئے جلتے ہیں۔ حسینیؑ تحریک پر لٹریچر تقسیم کیا جاتا ہے۔ 'یوم حسینؑ' کے نام سے سیرتی مجالس کا انعقاد ہوتا ہے، نحش دھنوں پر نوہ خوانی ممنوع ہے۔ سڑکوں، گلیوں میں سینہ کو پی کے دوران ماتم کرنے والے مردوں کیلئے تن ڈھانپ کر رکھنے کی تاکید ہے۔ بعض پیشہ ور و اعظین اور ذاکرین عشق حسینیؑ کا استحصال کر کے لوگوں کو اپنے

مفادات کی خاطر گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں جسکی مذہب میں اجازت نہیں ہے۔ مرثیوں میں واقعات و عقائد کی صحیح نشاندہی کیلئے مرثیہ نگار شعا کیلئے لازم ہے کہ وہ علماء و مجتہدین اور مستند روایا سے مخصوص قرآن و اسوہ معصومینؑ کے مطابق استفادہ کریں تاکہ خلاف دین و تربیت تحریف واقع نہ ہو جائے۔ عزاداران حسینؑ میں جہاں بذمہ نظمی گروپ بندی اور بے عملی ہوتی ہے اس کا لازمی سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ شیوہ عزاداری کے مفاہیم کو سمجھتے ہی

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ :-

وَقَدْ عَلِمْتُ مَعِيَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ بِالْقَابَةِ الْقَيْتَبَةِ وَالْمِنْزَلَةِ

الْحَصِيصَةِ وَضِعِي فِي حَجْرَةٍ وَأَنَا وَلِدُ نِصْمِي إِلَى صَدْرِهِ

وَكَيْفِي فِي فِرَاشِهِ وَمَيْتَتِي بَحْسَدٍ وَبِشْمِي عَرْفَةً

نوح البلاء - خطبة ۱۹۲

تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ ص سے قریب کی عزت واری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام ان نزدیک کیا تھا میں سمجھ ہی کہ رسول نے مجھے گویا لیا تھا۔ اپنے سینے سے چھپائے رکھے تھے۔ پھر اس نے اپنی پہلو میں جگہ دیتے تھے۔ اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنکھاتے تھے۔

إِلَى أَنْ بَعَثَ اللَّهُ سُبْحَانَكَ مُحَمَّدًا رَسُولًا صَنَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاللَّهُ

وَإَهْلَ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ مُتَّفِقُونَ وَأَهْوَى مُنْتَشِرَةٌ وَطَوْفٌ

مُتَشَتِّتٌ فَهَذَا هُنَّ مِنَ الضَّلَالَةِ وَالْقَدْرُ بِكَانَهُ مِنَ الْجَمَالَةِ

نوح البلاء - خطبة ۱۹۲